مسلمان کن باتوں سے کافر ہوتا ہے

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج بھی ہمارا معاشرہ امن و خوشحالی کا گہوارہ بن سکتا ہے،؟

اگر......

ولوان اھل القری امنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکت من السماءِ والارض ولکن کذبوا فاخذنھم بما کانوا یکسبون......

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہوجاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے مگر انھوں نے تکذیب کی سو اُن کے اعمال کی سزا میں ہم نے اُن کو پکڑ لیا......

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

ایمان ایک پاکیزہ اور تناور درخت کی مانند ہے جس کی جڑ یا بنیاد اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا ہے۔اس کے بعد رسولوں پر ایمان،فرشتوں پر، آسمانی کتب، یومِ آخرت اور تقدیر کے اچھے برے ہونے پر ایمان لانا اس بنیاد پر استوار ہے۔ پھر ایمان کی ستر سے زائد فروع (شاخیں) ہیں جن میں سب سے ہلکی شاخ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے۔

اسلام، دین کے پانچ ارکان (کلمہ کا اقرار، نماز، زکٰوۃ، روزہ، حج) کی ادائیگی اور ان پر قائم رہنے کا نام ہے۔اللہ کے ہاں وہی اسلام معتبر اور قابل قبول ہے جس کے سوتے اللہ پر صحیح ایمان لانے سے پھوٹتے ہوں۔ایمان کے بغیر ارکانِ اسلام کی ادائیگی خالص نفاق ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کے دور کے منافقین تمام ارکانِ اسلام پر عمل کرتے تھے لیکن ان کے قلوب ایمان سے خالی تھے یا پھر وہ اسلام کی حقانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کے متعلق شک میں پڑے ہوئے تھے۔اس لئے ان کا اسلام لانا ان کے کسی کام نہ آیا۔تاہم ظاہراً اسلام پر عمل کرنے کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ کیا۔اور ان کے ''اصلی کافر'' ہونے کے باوجود انہیں قتل نہ کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کرنے لگے ہیں۔لاریب، کہ شریعت فرد اور معاشرے کے ظاہر و باطن دونوں کو سدھارنے اور سنوارنے کا اہتمام کرتی ہے۔لیکن دنیا میں شریعت کے احکامات وقوانین لوگوں کے ظاہر ہی پر لاگو ہوتے ہیں۔اگر مدینہ کے منافقین سے کوئی کفر اعلانیہ طور پر ظاہر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور بالضرور ان سے قتال فرماتے۔جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک مسلم قبیلہ بنوالمصطلق کے زکٰوۃ کی ادائیگی سے انکار کی خبر سن کر اس پر چڑھائی کا حکم دیا تھا۔تاہم بعد میں یہ خبر غلط ثابت ہوئی تھی۔اور جیسا کہ آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زکٰوۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والے قبیلہ سے قتال کیا تھا حالانکہ وہ لوگ **لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** کا اقرار کرتے تھے اور دیگر ارکانِ اسلام پر عمل پیرا تھے۔لیکن اس اقرار اور دعوائے اسلام کے باوجود اُن سے کفر کا اعلانیہ اظہار ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں کافر و مرتد قرار دیا۔گویا اسلام کے دعویدار کسی شخص یا گروہ کے اعلانیہ اظہارِ کفر سے اس کے اسلام کا اعتبار دنیا میں بھی ختم ہو جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے جان و مال کی حرمت اسلامی معاشرہ پر سے اٹھ

جاتی ہے۔

ہر ایسا نظریہ یا عمل جس سے ایمان کی بنیادی ارکان پر زد پڑتی ہو، انسان کو اسلام سے خارج کر دینے کا سبب بنتا ہے اور انہیں نواقض الایمان یا نواقض الاسلام (ایمان / اسلام کو توڑ دینے والے امور) کہا جاتا ہے۔ ایسے امور میں سے کسی کا ارتکاب خواہ پوشیدہ یا دلی طور پر ہو، یا ظاہراً کھلے طور پر، دونوں صورتوں میں انسان کافر ہو جاتا ہے۔ البتہ کسی فرد یا گروہ کی تکفیر صرف اس صورت میں کی جا سکتی ہے جب اس کا کفر اعلانیہ طور پر کھل کر سامنے آ جائے۔ بشرطیکہ اس پر اس مسئلہ کی بابت حجت پوری ہو چکی ہو۔ تاہم یہاں اتمامِ حجت کے مسئلہ میں کچھ امور کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں قرآن وحدیث کی تعلیمات تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہو اور ایک معمولی پڑھا لکھا شخص بھی کوشش اور جستجو اور علمائے دین سے استفسارات وغیرہ کے ذریعے دین کے صحیح منہج تک پہنچ سکتا ہو، یہی ماحول اس شخص یا گروہ کے اتمامِ حجت کے لئے کافی ہے۔ جبکہ وہ خود اسلام کا دعویدار بھی ہو۔ ایسے کسی معاشرے میں کوئی شخص یا گروہ دین وایمان کے بنیادی اجزاء اور عقائد کے مخالف نظریات کا آوازہ بلند کرے، یا ان سے متصادم اعمال میں کھلے بندوں ملوث پایا جائے (بلکہ اسی کو عین اسلام بھی سمجھے.....!) تو اب اس کے بطلان کے لئے مزید ''کچھ اور ''اتمامِ حجت درکار نہیں ہونا چاہئے۔ بھلا جو کوئی اسلام کا مدعی ہو اور قرآن وحدیث کی بہ آسانی دستیابی کے باوجود اُن سے دین کی بنیاد نہ حاصل کر سکا ہو، ایسے پر حجت تمام کرنے کے لئے آپ اب کس چیز اور کونسے وقت کا انتظار فرمائیں گے؟ کفار ومشرکین سے برأت اور دشمنی کا فریضہ، جو انہیں کافر سمجھنے پر موقوف ہے، کب تک یونہی معطل رہے گا؟ کیا اس وقت تک، جب تک آپ بنفسِ نفیس اُن کے روبرو تشریف لے جا کر تمام قرآن کی تلاوت نہ فرما لیں؟ اور تمام متعلقہ احادیث مع اسناد کے نہ سنا لیں؟؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے پہلے بھی کافر ہیں اور اس کے بعد بھی کافر رہیں گے۔ اِلَّا یہ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی کو حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔

البتہ تبلیغِ دین اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ راہِ حق کے راہیوں پر سے کبھی ساقط نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر اس کام میں کوئی تساہل واقع ہو رہا ہو تو اس سے بہر حال تلاشِ حق سے منہ موڑنے والوں کے جرم میں کمی واقع نہیں ہو جاتی۔ نہ ہی ان کے کفر کا حکم بدل کر کچھ اور ہو جاتا ہے۔

بناء بریں، اسلام کے بنیادی عقائد کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا سب سے پہلا فریضہ ہے۔ پھر یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ کونسے امور ہیں جن سے دین کی بنیاد پر زد پڑتی ہے اور آدمی کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب

تک وہ ان باتوں کا علم حاصل نہیں کرے گا، اس بات کا امکان موجود رہے گا کہ وہ ان امور میں واقع ہو جائے جو اسلام کے مخالف ہیں۔ اسی مقصد کے تحت زیرِ نظر کتاب عربی سے ترجمہ کی گئی ہے جو کہ اردن کے عالم ڈاکٹر محمد نعیم یاسین کی کتاب "**الایمان ، ارکانہٗ ، حقیقتہٗ ، نواقضہٗ**" کا ایک باب ہے جس کا عنوان ہے "**متی یصیر المؤمن کافراً**" یعنی ایک مؤمن شخص کب (اور کن امور کے ارتکاب سے) کافر ہو جاتا ہے۔

کتاب کے رواں، سلیس اور شگفتہ ترجمہ کے لئے ہم جامعہ ستاریہ کراچی کے فاضل استاد جناب عبدالعظیم زئی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی مشکور ہیں۔ **جزاه الله احسن الجزاء**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمہ کے اقرار کے صحیح ہونے کی شرائط

اہلِ سنت کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ شہادتین (**لا الــہ الا اللہ مـحـمـد رسول اللہ**) کے اقرار کے سوا کوئی چیز انسان کو اسلام میں داخل کرنے کا موجب نہیں بنتی ۔ لہٰذا جس کسی نے اس کلمہ کا اقرار نہ کیا ہو اس کو مسلمان کہنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ۔ اسی طرح یہ بھی کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کلمہ کے اقرار کرنے والے کو کافر کہے یا سمجھے جب تک کہ کلمہ پڑھنے والا اس کلمہ کے تقاضوں یا اس کے کسی ایک جز کے منافی عمل نہ کرلے ۔ اس لئے کہ اس کلمہ کے ایک جز کا اقرار اسلام میں داخل ہونے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ توحید و رسالت دونوں کا اقرار ضروری ہے ۔ اگر چہ ایک حدیث میں صرف **شہــادـۃ ان لا الــہ الا اللہ** کا ذکر ہے ۔ مگر اس کا مطلب بھی پورا کلمہ ہی ہے جس طرح کہ دیگر احادیث سے اس کی صراحت ہو جاتی ہے ۔ (شرح نووی، صحیح مسلم، ج ۱ صفحہ ۱۴۹ تا ۲۱۹ ملاحظہ کریں)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شہادتین کا اقرار اور دل سے اس کے مفہوم کی تصدیق اس وقت فائدہ نہیں دے گی جب ان دونوں یا ایک شہادت کے منافی کام کئے جائیں ۔ نہ ہی ایسا اقرار اسلام میں داخل کرے گا اور نہ جہنم میں ہمیشہ رہنے سے بچا سکے گا ۔ ایسے شخص کو مؤمن نہیں کہا جا سکتا جو **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا اقرار کرے مگر زکوٰۃ یا حج کے وجوب کا انکار کرے، یا زنا، سود، قتل وغیرہ کی حرمت، یا دیگر ایسے احکام کا انکاری ہو جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور ہر مسلمان ان کو جانتا پہچانتا ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے اور پھر کہے کہ یہ رسالت صرف آپ ﷺ کے دور تک یا کسی خاص قوم تک محدود و مخصوص تھی تو ایسا شخص بھی مؤمن اور مسلمان نہیں کہلائے گا ۔ یا اگر کوئی شخص شہادتین کا اقرار کرے مگر ان کی ایسی تفسیر کرے جس سے اللہ کی صفاتی توحید کا انکار پیدا ہوتا ہو تو ایسا شخص بھی مؤمن نہیں کہلا سکتا ۔ اگر کوئی شخص شہادتین کا اقرار کرتا ہو مگر قرآن کے کسی حصہ، آیت یا ایک حرف تک کا انکار کرتا ہو تو ایسے شخص کو شہادتین کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے گا ۔ اس لئے کہ ایک طرف تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اقرار کرتا ہے مگر ساتھ ہی ان دونوں کی شریعت کا انکار کرتا ہے ۔

اگر کوئی شخص کسی ایسے مذہب سے تعلق رکھتا ہے جس کی بنیاد شہادتین کے مفہوم کے منافی ہے تو جب تک وہ اُس

مذہب کو چھوڑ نہ دے اس وقت تک شہادتین کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے گا۔اسی طرح اگر کوئی شخص توحید کا اقرار کرتا ہو اور محمد ﷺ کو رسول بھی مانتا ہو مگر کسی ایک زمانے یا قوم کے لئے مانتا ہو تو جب تک یہ شخص آپ ﷺ کو تمام دنیا (اور ہر زمانے) کے لئے رسول تسلیم نہ کرلے اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتا۔آدمی کو کب مؤمن کہا جائے؟اس مسئلہ کے بارے میں کچھ علماء نے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک مسلمان تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ وہ شہادتین کا اقرار نہ کرلے اور یہ اقرار اس طرح ہو کہ اس سے پہلے والے تمام باطل عقائد ختم ہو جائیں۔اگر اقرار اس طرح کا نہیں ہے تو پھر شہادتین زبان سے ادا کرے اور عقائدِ باطلہ سے برأت کا اعلان کرے۔وہ عقائد جو صرف اقرارِ شہادتین سے باطل نہیں ٹھہرے تھے۔ (تفسیرِ کبیر) اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ کلمہ **لا الـــہ الا اللہ** ان تمام باطل تصورات کو ختم کردیتا ہے جو خالق یا اس کی ربوبیت والوہیت سے متعلق ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی ذات،اس کی صفات،اسماء وافعال اور اللہ کو ہر عیب سے پاک سمجھنے میں اس کلمہ کا اقرار کفایت کرتا ہے۔جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرلیتا ہے تو وہ گویا اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں ان تمام باطل اعتقادات سے براءت کا اظہار کرتا ہوں جو اللہ کے بارے میں پہلے موجود تھے۔جبکہ دوسری شہادت (یعنی **محمد رسول اللہ**) ان تمام باطل تصورات کو ختم کر دیتی ہے جو نبی ﷺ کے بارے میں یا آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے متعلق یا آپ ﷺ کی حیثیت ومرتبہ کے بارے میں ہوں۔اگر کوئی بھی غلط تصور باقی رہا جیسا کہ بعض لوگ آپ ﷺ کی شریعت کو ایک قوم تک محدود سمجھتے ہیں تو پھر یہ گواہی فائدہ نہیں دے گی۔

یہ سب شرائط وتفصیلات ان لوگوں کے لئے ہیں جو پہلے کافر تھے اور اب اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔جہاں تک مرتد کا تعلق ہے تو وہ اس وقت تک مسلمان تسلیم نہیں کیا جائے گا جب تک ان باتوں کا اقرار نہ کرلے جن کا انکار کر کے وہ مرتد ہوا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے **لا الـہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا اقرار بھی کرنا ہوگا۔اگر اس نے صرف اللہ کی وحدانیت یا محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کیا تھا تو شہادتین کا اقرار اس کے لئے کافی ہے اور اگر اسلام کے کسی اور رکن یا مسئلہ کا بھی انکاری تھا تو اس کا اقرار بھی کرنا ہوگا۔مثلاً اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی فرضیت یا حرمتِ زنا یا حرمتِ سود کا انکار کرتا ہے تو وہ مرتد ہوگا اور دوبارہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ **لا الـــہ الا اللہ محـمـد رســـول اللہ** کا اقرار کرے اور پھر زکوٰۃ کی فرضیت،زنا وسود کی حرمت کا اقرار کرے۔غرض جس حکم کا بھی انکار کیا تھا اسے دوبارہ تسلیم کرلے۔

اس مقام پر اگر ایک اور بات کی وضاحت کی جائے تو بہت مفید ہوگا۔ وہ یہ کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شہادتین کے اقرار سے انسان ظاہری مسلمان بن جاتا ہے اور اس پر وہ تمام احکام لاگو ہوتے ہیں جو مسلمانوں پر ہوتے ہیں۔ البتہ خلود فی النار (ہمیشہ جہنم میں رہنے) سے بچنے کے لئے صرف زبانی اقرار کافی نہیں جب تک کہ دل کی تصدیق بھی اس کے ساتھ شامل نہ ہو جائے۔ لہٰذا اب جو شخص شہادتین کا اقرار کرلے گا اس کے ساتھ دنیا میں وہی برتاؤ کیا جائے گا جو مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں وہ منافق ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ ہم دنیا میں ظاہری اعمال کے لحاظ سے معاملہ کرنے کے پابند ہیں اور ہمیں انہی کی بنیاد پر کسی کے مسلمان و کافر ہونے کا فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔ باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اس لئے کہ باطن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسامہ نے ایک شخص کے ظاہری اقرار کو تسلیم نہیں کیا کہ وہ تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اور اسے قتل کر دیا (جنگ کے دوران) تو آپ ﷺ نے اس بات پر سرزنش کی (کہ تم کو باطن میں جھانکنے کا کس نے کہا ہے؟)۔

مؤمن کب کافر ہوتا ہے؟ ایمان کے منافی امور کونسے ہیں؟

گزشتہ سطور میں یہ بات واضح ہو چکی کہ لوگ اسلام میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین میں داخل ہونے والوں کی کتنی اقسام ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ تو اپنے اقرار پر قائم رہتے ہیں اور انکا خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مرتد ہو جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے جو لوگ ہیں (یعنی ایمان پر قائم رہنے والے) ان کی پھر کئی اقسام ہیں:

۱۔ بہت زیادہ نیکوکار ۲۔ متوسط درجے کے نیکوکار ۳۔ ایمان کے ساتھ ساتھ کچھ گناہ کرنے والے ۴۔ بغیر حساب کے جنت میں جانے والے ۵۔ آسان حساب لئے جانے والے ۶۔ کچھ عرصہ تک عذاب بھگتنے والے، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں عذاب سے نجات دے دے۔

جہاں تک ان اسباب کا تعلق ہے جن کی وجہ سے کوئی شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہوتا ہے تو اس بارے میں ہم ایسا قاعدہ کلیہ ذکر کرتے ہیں جس پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے اس کے بعد ہم اسے تفصیل سے بیان کریں گے۔

قاعدہ

جس قاعدے کی رو سے ان اعتقادات اور افعال و اقوال کی وضاحت ہوتی ہے جن کے اپنانے سے آدمی کافر ہوتا ہے وہ قاعدہ ہم امام طحاوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''ہم اہلِ قبلہ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور

انہیں مؤمن تسلیم کرتے ہیں جب تک وہ محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے اقراری ہوں اور آپ ﷺ کی ہر بات کی تصدیق کرتے ہوں۔ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کسی گناہ کے سرزد ہونے پر کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ کسی گناہ کو جائز نہ سمجھے۔ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایمان کسی گناہ کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا۔ایمان سے آدمی اس وقت نکلتا ہے جب وہ اس اقرار کا انکار کردے جس کی وجہ سے وہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔'' (العقیدۃ الطحاویہ مع شرح ،صفحہ ۳۵۰ تا ۳۵۱ اور ۳۷۱)

تفصیل اس قاعدہ کی اس طرح ہے کہ شارع نے ایمان واسلام میں داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ مقرر کیا ہے جسے شہادتین کا اقرار اور اُس کی تصدیق کہا جاتا ہے۔اب جو شخص اس دروازہ سے اسلام وایمان میں داخل ہوگیا وہ باہر تب نکلے گا جب اس سے کوئی قول ،عمل یا اعتقادی کام ایسا سرزد ہوجائے جو اس اقرار وتصدیق کے منافی ہو۔آپ کے سامنے ہم یہ صراحت کر چکے ہیں کہ **لا الــہ الا اللہ** کی شہادت کا مقصد ہے اللہ کی ربوبیت،اسماء وصفات اور افعال میں وحدانیت کا اقرار اور توحید الوہیت کو قائم کرنا اور عبادات میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کرنا۔

مـحـمـد رسول اللہ کی شہادت کا مطلب ہے اس بات کا اقرار اور تصدیق کہ محمد ﷺ جو شریعت ہمیں دے گئے ہیں وہ برحق اور واجب الاتباع ہے۔اور جو خبریں ہمیں آپ ﷺ نے (سابقہ یا آئندہ) غیب کی دی ہیں انہیں سچا ماننا اور انہیں اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین کرنا۔اسی طرح یہ اعتراف کرنا کہ تمام نبوی اخلاق وصفات آپ ﷺ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور آپ ﷺ امین ،دیانتدار،عقلمند، پاکدامن اور اللہ کے احکام کو کما حقہ پہنچانے والے تھے۔اب اس کے بعد اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات کرتا ہے یا ایسا کوئی فعل کرتا ہے جو مذکورہ امور میں سے کسی ایک کے انکار پر دلالت کرتا ہو تو یہ قول یا فعل اس کے اس اقرار کو ختم کردے گا اور یوں ایسا شخص دینِ اسلام سے خارج شمار ہوگا۔اگر اس کی نیت اور عقیدہ بھی اس قول یا فعل کے موافق ہو تو یہ شخص دنیا وآخرت دونوں میں کافر شمار ہوگا اور اس کے ساتھ دنیا میں وہی سلوک ومعاملہ کیا جائے گا جو کافروں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے اور اس پر مرتد کے احکام لاگو ہوں گے۔ یعنی سب سے پہلے اس سے توبہ کروائی جائے،اگر نہ کرے تو قتل کردیا جائے۔اگر اسی حالت پر اسے موت آجائے تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

البتہ جب کوئی مؤمن گناہ کرتا ہے یا ایسا کوئی قول یا فعل اس سے سرزد ہوتا ہے جو اللہ کی معصیت میں شمار ہوتا ہو تو اس کا یہ قول یا فعل اسے دین اسلام سے خارج نہیں کرتا،اگرچہ وہ توبہ بھی نہ کرے۔البتہ گناہ ایسا نہ ہو کہ جو شہادتین یا

ان میں سے کسی ایک کے منافی ونقیض ہو۔ایسے شخص کی سزا وجزا اور بخشش کا معاملہ اللہ کی مشیئت پر ہے اگر وہ چاہے تو اسکے گناہ ومعصیت کی سزا کے طور پر جہنم میں ڈال دے اور سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردے۔ اس بارے میں بہت سی صحیح احادیث ہیں کہ جہنم سے ہر وہ شخص نکال لیا جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے مؤمن گناہ گار کو معاف کردے اور بغیر عذاب دیئے ہی جنت میں داخل کردے ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰہَ لاَ یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (النسآء:١١٦)

''اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف کردے ۔''

ایمان کو ضائع کردینے والے امور کی اقسام

جو امور ایمان سے خروج کا سبب بنتے ہیں ان کی کئی اقسام ہیں اور سب کی بنیاد اسی قاعدہ کلیہ پر ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ پھر ہر ایک قسم کی بہت سی صورتیں اور تفصیلات ہیں جن کا شمار بہت مشکل ہے۔ہم مختصراً ان تفصیلات کو چار قسموں میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں۔

١۔ اللہ کی ربوبیت کا انکار یا اس پر اعتراض واشکال۔

٢۔ اللہ کے اسماء وصفات پر اعتراضات واشکالات

٣۔ اللہ کی الوہیت پر اعتراضات واشکالات

٤۔ رسالت کا انکار یا صاحبِ رسالت ﷺ کی تنقیص

یہ چار بڑی اقسام ہیں پھر ان میں سے ہر قسم کی ،افعال اقوال واعتقادات کے لحاظ سے بہت سی صورتیں بنتی ہیں اور ہر صورت کا لازمی نتیجہ شہادتین سے خروج ہے جس سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ان صورتوں میں سے ہر ایک کی تفصیل اور مثالوں کے ساتھ وضاحت پیش کی جاتی ہے:

پہلی قسم: اللہ کی ربوبیت کا انکار یا اس پر اعتراض واشکال

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ توحید کی تمام اقسام میں پہلی قسم توحیدِ ربوبیت ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی

تمام کائنات کا ربّ و مالک ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق و رازق ہے۔ ان تمام چیزوں میں تغیر و تبدیلی کے اختیارات صرف اللہ کے پاس ہیں۔ یہ تمام تغیرات اللہ کی مشیئت، حکمت اور علم کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور ہر وہ عقیدہ یا قول جس سے اللہ کی یہ مذکورہ خصوصیات یا ان میں سے چند خصوصیات کا انکار لازم آتا ہو وہ قول و اعتقاد، کفر و ارتداد ہے اور خالق کا انکار ہے۔ کسی چیز کو اللہ سے مقدم ماننا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی چیز ایسی بھی ہے جو اللہ نے پیدا نہیں کی اور وہ اللہ سے بھی پہلے موجود تھی، یا اللہ کے علاوہ کسی اور کو خالق یا کائنات میں تصرف و تدبیر کرنے والا ماننا، یا اللہ کی ملکیت کو عام و مکمل نہ سمجھنا، یا رزق کا مختار و مالک کسی اور کو سمجھنا، یا اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک سمجھنا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ نے ہر چیز پیدا تو کر دی ہے مگر اب انہیں (یا ان میں سے کسی کو) بیکار چھوڑ رکھا ہے اور ان میں اب تصرف نہیں کر رہا۔ نہ ان کی حفاظت کر رہا ہے نہ ان کی تدبیر کر رہا ہے۔ یا اور کوئی اس طرح کا عقیدہ جس سے اللہ کی ربوبیت کی خصوصیات پر حرف آتا ہو، ارتداد شمار ہوگا۔ اسی طرح کفر و ارتداد اس کو بھی کہیں گے کہ کوئی شخص ان خصوصیات میں سے کسی ایک یا کئی خصوصیات کا اپنے آپ میں ہونے کا دعویٰ کرے، جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ ﴾ (النازعات :۲۴) ''میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔'' یا خود کو مالک، رازق یا تدبیرِ عالم میں سے کسی تدبیر کے سرانجام دینے کا دعویٰ کرے۔ ایسا شخص خود بھی کافر ہے اور اس کو اس دعویٰ میں سچا ماننے والا بھی کافر و مرتد ہے۔

دوسری قسم: اللہ کے اسماء وصفات پر اعتراضات واشکالات

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کچھ اسماء وصفات ثابت کی ہیں اور کچھ اسماء وصفات کی نفی کی ہیں۔ اسی طرح اس کے رسول ﷺ نے بھی اللہ کے لئے کچھ اسماء وصفات ثابت کی ہیں اور کچھ کی نفی کی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ثابت شدہ اسماء و صفات کی نفی کرے یا نفی کردہ صفات کو ثابت مانے تو یہ بھی کفر شمار ہوگا۔ اس کو ہم دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ۱۔ کفرِ نفی ۲۔ کفرِ اثبات

کفرِ نفی: کفرِ نفی میں یہ باتیں شامل ہیں:

اللہ کی صفات میں سے کسی کی نفی کرنا۔ مثلاً اللہ کے کامل علم یا قدرت، زندگی، قیومیت، سماعت، بصارت، استواء علی العرش، کلام، رحمت، کبریائی وغیرہ میں سے جو بھی کتاب وسنت سے ثابت ہے ان میں سے کسی کا انکار کرنا یا تاویل کرنا یا اللہ کی کسی صفت کو محدود یا ناقص و نامکمل سمجھنا، جیسے ایک شخص اللہ کے علم کا اقرار کرتا ہے مگر اس کے علم کو

اجمالی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جزئیات وتفصیلات تک اللہ کا علم نہیں ہے۔ یا کوئی شخص اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیتا ہے کہ اللہ کا سننا اور دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے انسانوں کا دیکھنا وسننا، وغیرہ۔

کفرِ اثبات: کفرِ اثبات میں یہ باتیں شامل ہیں:

کسی ایسی صفت کو اللہ کے لئے ماننا جس کی نفی اللہ نے خود کی ہو یا اسکے رسول ﷺ نے کی ہو۔ جیسے اللہ کے لئے بیٹے یا بیٹیاں یا بیوی یا نیند، غفلت، موت یا کسی بھی ایسے نقص کو اللہ میں موجود ماننا جو کہ انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کو اپنے لئے یا مخلوق میں سے کسی کے لئے ثابت کرتا ہو۔ ایسے شخص کے اس دعوے کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں بھی ایسا ہی عالم ہوں جس طرح اللہ عالم ہے یا فلاں شخص کے پاس ایسی ہی حکمت ہے جس طرح اللہ کے پاس ہے۔ ایسا شخص اور اس کی تصدیق کرنے والا دونوں کافر ہیں اس لئے کہ اللہ کی صفات میں شریک کرنا اللہ کی صفات کی تنقیص ہے اور جو شخص بھی اللہ کی صفات کو ناقص مانتا ہے وہ کافر و مرتد ہے۔

تیسری قسم: اللہ کی الوہیت پر اعتراضات واشکالات

ہر وہ قول، فعل یا عقیدہ جو توحید کی قسم ثالث یعنی توحید الوہیت میں طعن یا تنقیص کا سبب ہو، نواقض الایمان کی تیسری قسم میں شمار ہوتا ہے۔ توحیدِ الوہیت کا مقصد ہے اللہ تعالیٰ کو اکیلا معبودِ برحق ماننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی چیز عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص اِسکے مخالف عقیدہ رکھے، یا اسکا کوئی قول یا فعل اس اقرار کے منافی ہو یا ان میں سے کسی بھی چیز میں تنقیص کا سبب ہو، یا اللہ کے ساتھ ان صفات میں کسی اور کو شریک مانتا ہو، تو ایسا شخص کافر و مرتد شمار ہوگا۔

زیادہ تر لوگوں کے کافر یا مرتد ہونے کا تعلق بھی اسی قسم کی توحید کے ساتھ ہے۔ اکثر لوگ اللہ کے وجود، اس کے خالق، رازق، قادر، محی وممیت (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) ہونے کے پہلے بھی قائل تھے اور اب بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ﴾ (زخرف: ۸۷)

''اگر آپ ﷺ ان (کفارِ مکہ) سے پوچھیں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ○ ﴾

(زخرف : ۹)

''اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے جو غالب اور عالم ہے۔''

اس اقرار کے باوجود اکثر کو کافر اس بنیاد پر کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا عبادت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور اللہ کے اس (تنہا معبود ہونے کے) استحقاق کا انکار کرتے تھے۔ یہ انکار بھی قولی، فعلی یا اعتقادی میں سے کسی قسم کا ہوتا تھا۔ اور چونکہ دوسروں کو بھی اللہ کے اس حق میں شریک سمجھتے تھے اس لئے انہیں کافر قرار دیا گیا۔ یہ شرک بھی خواہ قولی ہو یا فعلی یا اعتقادی، کفر وارتداد کا سبب تھا اور ہوگا۔ اس لئے کہ جو شخص یہ مانتا ہو کہ اللہ خالق ہے، مالک ہے، ہر چیز کی تدبیر کرنے والا ہے اسی طرح اللہ کی تمام جلالی وکمالی صفات کا معترف ہو تو اس اعتراف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ الوہیت میں بھی اللہ کو اکیلا ہی سمجھے اور عبودیت کا مستحق بھی صرف اسی اکیلے اللہ کو سمجھے۔ اگر وہ اس کا انکار کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو اس کا یہ اعتراف (یعنی اللہ کی ربوبیت کا) باطل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جیسا کہ صنعانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تطہیر الاعتقاد میں لکھا ہے:

''جو شخص اللہ کی توحید ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کو عبادت میں بھی اکیلا سمجھے۔ اگر اس طرح نہیں کرے گا تو اس کا پہلا اقرار بھی باطل ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے امتحان کا ذریعہ توحید الوہیت کو بنایا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ ﴾ (الذاريات : ٥٦)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔''

یہاں ایک اور بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ **لا الٰہ الا اللہ** کے منافی دو امور ہیں: (۱) خالق کے حق کی نفی کی جائے یعنی کسی بھی قسم کی عبادت ہو اللہ کو اس کا مستحق نہ مانا جائے۔ (۲) یہ حق کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے یعنی مخلوق میں سے کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے۔

اب ہر قول یا عمل یا اعتقاد جس میں ان دو امور میں سے کوئی امر پایا جائے وہ عمل، اعتقاد یا قول کفر میں داخل کرنے کا سبب ہوگا اور ایسا قول، عمل یا اعتقاد رکھنے والا مرتد شمار ہوگا۔

جو امور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہیں وہ یہ ہیں: عاجزی، انکساری، اطاعت، جھکنا، محبت، ڈرنا، مدد طلب کرنا، دعا کرنا، بھروسہ کرنا، امید رکھنا، رکوع، سجدہ، روزہ، ذبح، طواف وغیرہ۔

جو شخص اپنے قول یا عمل یا اعتقاد کے ذریعہ سے ان امور میں سے کسی ایک کی بھی اللہ کے لئے نفی کرے گا تو یہ قول، عمل یا اعتقاد کفر ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ سے ڈرنا نہیں چاہئے یا اس سے دعا نہیں کرنی چاہئے یا اس سے مدد نہیں مانگنی چاہئے یا اس کے سامنے رکوع نہیں کرنا چاہئے (یا مذکورہ اعمال یا اُن میں سے کوئی بھی ایک اللہ کے لئے کرنا ضروری نہیں)، یا ان اعمال میں سے کسی عمل کے کرنے والے کا مذاق اڑائے، یا رکوع، سجود، روزہ، حج وغیرہ یا کسی بھی ایسے قول یا عمل کا مذاق اڑائے جسے شریعت نے عبادت کا درجہ دیا ہو تو یہ بھی کفر و ارتداد ہے۔ اس لئے کہ ان اعمال کا یا ان کے کرنے والے کا مذاق اڑانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص اللہ کو ان عبادات کا مستحق نہیں سمجھتا۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو اللہ کو اور اس کے احکام کو قابلِ اطاعت نہیں سمجھتا یا اللہ کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شریعت (قانون) ہے جو اس کی کتاب میں موجود ہے اور اس نے اپنے رسول ﷺ کو عطا کی ہے۔ اب جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ کی اس شریعت میں سے کوئی حکم ماننا ضروری نہیں ہے یا اس دور میں ان احکام پر عمل نہیں ہوسکتا یا اس جیسی کوئی بات کرتا ہے تو وہ شخص کافر شمار ہوگا۔ اس لئے کہ الوہیت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ حکم کرے اور شریعت بنائے۔

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ (یوسف: ۴۰) ''حکم کرنا صرف اللہ کا استحقاق ہے۔''

اور عبودیت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اطاعت و فرمانبرداری کرے۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو ان عبادات میں سے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے ثابت مانے یا جو شخص خود کو عبادت کا مستحق سمجھ کر لوگوں کو اپنی عبادت بجالانے کا حکم کرے۔ ایسے شخص کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ہوگا اور اس کی عبادت بجالانے والا بھی۔ وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ پسند کرے کہ ان عبادات میں سے کوئی عبادت اس کے لئے بجالائی جائے اگرچہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم نہ بھی کرے۔ جیسے کہ کوئی شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس سے مدد مانگی جائے۔ اس پر بھروسہ کیا جائے، اس سے ڈرا جائے یا اس سے امید رکھی جائے۔ (ایسا خوف اور امید جس طرح اللہ سے رکھی جاتی

ہے، جو انسان کے قدرت سے باہر ہو۔ انسان کے اختیار میں جو قوت و غلبہ ہے اگر اس سے کوئی شخص ڈرتا ہے یا امید رکھتا ہے تو یہ کفر نہیں ہے) یا کوئی شخص یہ حکم کرے یا چاہت رکھے کہ اسے سجدہ کیا جائے یا اس کے سامنے جھکا جائے یا ایسا کوئی بھی کام جو صرف اللہ کے لئے کیا جانا خاص ہو وہ اپنے لئے کرنے کا حکم کرے یا خواہش کرے تو یہ کفر کے زمرے میں شامل ہوگا۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو یہ دعویٰ کرے کہ مجھے قانون و شریعت بنانے کا حق ہے اگر چہ اللہ کے احکام کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ یا یہ کہے کہ کیونکہ اُس کے پاس حکومت یا فیصلے کے اختیارات ہیں اس لئے اب اسے یہ حق حاصل ہے کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دے۔ مثلاً کوئی حکمران ایسے احکامات جاری کرے یا قوانین وضع کرے جن سے زنا، سود، بے پردگی کا جواز پیدا ہوتا ہو یا اللہ اور رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود و سزاؤں میں تغیّر لازم آتا ہو یا زکوٰۃ کے لئے شریعت کے مقرر کردہ نصاب میں یا میراث، کفارہ اور عبادات وغیرہ میں تبدیلی آتی ہو تو اس طرح کے قوانین بنانے والا اور اس کو صحیح تسلیم کرنے والا دونوں کافر شمار ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ غیر اللہ کی الوہیت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (نحل : ٣٦)

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جو انہیں یہ حکم کرتا تھا کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔''

دوسری مقام پر فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (بقرة : ٢٥٦)

''جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

مضبوط کڑے سے مراد **لا الـــــہ الا اللہ** کی شہادت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادات کی غیر اللہ سے نفی کی جائے اور تمام عبادات کا مستحق صرف اللہ کو مانا جائے۔

اب اگر کوئی حکمران اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں کتاب و سنت سے ثابت شدہ قوانین کے معارض قوانین بنا سکتا ہوں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا جاتا ہو تو ایسا حکمران کافر و مرتد ہے اس

لئے کہ اس کا عقیدہ یہ بن چکا ہے کہ اس کے پاس اتنے اختیارات ہیں کہ وہ اللہ کی شریعت کی بجائے اپنی شریعت اپنے قوانین بنا سکتا ہے۔ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔(بلکہ یہی شخص طاغوت ہے)

البتہ اس سے وہ قانون سازی مستثنیٰ ہے جس میں قرآن وسنت کی نصوص واضح نہیں ہیں یعنی قرآن وسنت میں کوئی قانون نہ ہو یا مجتہدین نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہو تو اس میں حکومت کو قانون سازی کا اختیار حاصل ہے بشرطیکہ قرآن وسنت کے معارض ومخالف نہ ہو۔لہٰذا جو شخص ایسا کوئی قانون بنائے جس سے زنا،سود یا ہر وہ چیز یا عمل جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہو اس کا جواز پیدا ہو رہا ہو تو ایسا قانون ساز بھی کافر ہے اور اس کے ساتھ اس عمل میں حصہ لینے والے بھی کافر ہیں۔البتہ ایسا شخص جو ملکی معاملات یا لوگوں کی سیرت وکردار کو بہتر کرنے کے لئے قانون بناتا ہو یا اشیاء کی قیمتیں مقرر کی جاتی ہوں تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ قرآن وسُنَّت کے مخالف نہیں ہے۔اگرچہ بعض علماء نے اس سے بھی منع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حکومت کے لئے اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔مگر ان علماء کی بات صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ قیمتیں مقرر کرنا اجتہادی مسئلہ ہے اور بعض فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ حکمرانوں کو خلافِ قرآن وسنت قانون سازی کا اختیار حاصل ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے اور وہ شخص بھی کافر ہے جو خلافِ شرع فیصلے کرنے والوں سے اپنے فیصلے کرواتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ○﴾ (النسآء: ٦٠)

''کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا یہ خیال ہے کہ وہ آپ پر اور آپ سے قبل نازل کردہ (کتب وشرائع) پر ایمان لائے ہیں مگر وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت سے کروائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت سے کفر کریں۔شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت بڑی گمراہی میں مبتلا کردے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (شوریٰ: ٢١)

''کیا ان کے ایسے بھی شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں وہ قوانین بنا دیئے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔''

چوتھی قسم: رِسالت یا صاحبِ رِسالت ﷺ کی تنقیص

ہر وہ قول، عمل یا عقیدہ جو رسالت یا صاحبِ رسالت ﷺ میں عیب ونقص پیدا کرنے یا اعتراض کا سبب ہو، انسان کے اسلام سے خارج کردینے کا سبب بنتا ہے۔اس لئے کہ ایسا فعل،قول یا اعتقاد **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ** کی شہادت کے منافی ہے۔اس شہادت کا مقصود یہ ہے کہ جو کچھ محمد ﷺ سے ثابت ہے وہ حق سچ ہے اور اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ان تمام صلاحیتوں اور صفات سے نوازا تھا جو رسالت کو مکمل طور پر پہنچانے کے لئے ضروری تھیں۔

اب اس شہادت کو ختم کرنے والے امور دو ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ پر عیب لگانا۔

(۲) آپ ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں میں سے کسی بات کا انکار کرنا یا اُس پر اعتراض کرنا۔

پہلے امر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کی طرف اگر کوئی بھی عیب والی بات منسوب کردی گئی تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ گویا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسالت کے لئے منتخب کرکے غلطی کی ہے۔لہٰذا ہر وہ شخص کافر ہے جو نبی ﷺ کی صداقت ودیانت یا آپ ﷺ کی عفت وصلاحیت اور عقل پر اعتراض یا اُس کا انکار کرتا ہے۔

وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہو یا آپ ﷺ کا مذاق اڑائے یا آپ ﷺ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرے۔

دوسرے امر میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ نے جن باتوں کی خبر دی ہے ان میں سے کسی کا انکار کیا جائے۔مثلاً بعثت (قیامت کے دن اٹھایا جانا)، میزان، حساب، پُل صراط، جنت، جہنم وغیرہ۔جو شخص قرآن کی کسی آیت یا حکم کا انکار کرتا ہے وہ بھی کافر ہے اس لئے کہ قرآن کی جتنی آیات ہیں ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ سب اللہ کا کلام ہے۔اب جو شخص بھی ان میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے تو وہ نبی ﷺ کو جھٹلاتا ہے۔اسی طرح قرآن و سنت سے ثابت شدہ کسی حکم کا انکار بھی کفر ہے۔مثلاً کوئی شخص نماز یا زکوٰۃ کی فرضیت یا زنا و چوری کی حرمت کا انکار کرے یا کسی نماز میں رکعات کے اضافہ کا دعویٰ کرے یا بغیر وضو کے نماز کو جائز قرار دے تو ایسا شخص کافر کہلائے گا۔

البتہ کوئی شخص اگر ایسے حکم یا مسئلے کا انکار کرتا ہے جو زیادہ مشہور نہیں ہے اور صرف چند علماء کو اس کا پتہ ہے تو ایسا شخص کافر نہیں ہوگا۔اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار نہیں ہوگا جو ایسے مسئلے کا انکار کرتا ہے جس میں مجتہدین کا اختلاف ہو اور اس پر اجماع نہ ہوا ہو۔

امام نووی شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں:

''اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی ایسے مسئلے کا انکار کرتا ہے جس پر امت کا اجماع ہے اور وہ مشہور بھی ہے جیسے پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، جنابت کا غسل، شراب اور زنا کی حرمت، ذی محرم سے نکاح کی حرمت وغیرہ (تو ایسا شخص کافر ہے)۔ ہاں اگر ایسا شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہے اور وہ اسلام کی مکمل معلومات نہیں رکھتا اگر وہ لاعلمی کی بنیاد پر انکار کرتا ہے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اگر مسئلہ ایسا ہو کہ اجماع تو اس پر ہو چکا ہے مگر یہ خواص کو (یعنی علماء کو) معلوم ہے جیسے چچی بھتیجی یا خالہ بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا یا قتلِ عمد کا مرتکب وراثت سے محروم ہوتا ہے یا دادی کے لئے میراث میں چھٹا حصہ ہے یا دیگر اس جیسے احکام میں سے کسی کے انکار پر کافر قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ اس کو علم نہیں اور یہ مسئلے عوام میں مشہور بھی نہیں ہیں۔''

(شرح صحیح مسلم، ج ۱، صفحہ ۲۰۵)

وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو قرآن کی کسی آیت یا قرآن کی غیب سے متعلق دی ہوئی کسی خبر کا انکار کرے چاہے وہ خبر ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو محمد ﷺ سے قبل بھیجے گئے رسولوں میں سے کسی کی رسالت کا انکار کرتا ہے۔ یا ان کی اقوام کے بارے میں جو قصے اور واقعات مذکور ہیں ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے مخلوق کی ابتداء کی جو کیفیت ذکر کی ہے اسکا انکار کرے یا اپنی طرف سے کسی اور کیفیت کو بیان کرے جو قرآن کے بیان کے مخالف ومتضاد ہو، یا جنات، شیاطین، کرسی، عرش، لوح، قلم وغیرہ یا قرآن نے کسی تاریخی شخصیت کا تذکرہ کیا ہو یا کسی کو رسول شمار کیا ہو ان میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر کہلائے گا۔ یا کسی رسول کے بارے میں یہ اعتراض اٹھائے کہ یہ رسول بنائے جانے کا مستحق نہیں تھا یا یہ بات کرے کہ جن رسولوں کے نام قرآن میں ذکر ہیں ان کے علاوہ اور کوئی رسول یا نبی اللہ نے نہیں بھیجا۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو قرآن کے اعجاز (معجزہ ہونے) کا انکار کرے۔ اس لئے کہ قرآن کا معجزہ ہونا اللہ کے کلام اور تاریخی واقعات سے ثابت ہے۔ اسی طرح محمد ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا اور اس دعوے دار کی تصدیق کرنے والا دونوں کافر ہیں اس لئے کہ قرآن نے محمد ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیا ہے۔

کفر پہ راضی رہنا اور اسلام سے راضی نہ رہنا بھی کفر ہے

گزشتہ سطور میں جو کچھ بیان ہوا وہ صرف چند مثالیں تھیں جن کا مقصد شہادتین کے ابطال کی صورتیں بتانا تھا یعنی وہ صورتیں جن سے کلمہ کا اقرار نا قابلِ اعتبار ٹھہرتا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ بھی کفر وارتداد کی صورتیں موجود ہیں جن سے شہادتین کی نفی ہوتی ہے اور توحید و رسالت کا انکار لازم آتا ہے۔ ان میں سے ایک صورت ہے کفر پہ رضامندی اور اسلام سے غیر رضامندی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کلمہ شہادت کہنے والے کو کہے کہ تو نے جھوٹ بولا اور جو شخص کلمہ شہادت کا انکار کرے اس کو کہے کہ تو صحیح کہہ رہا ہے تو ایسے شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔

اس طرح اور بہت سے الفاظ یا انداز ہیں تصدیق وتکذیب کے۔ ان میں سے کسی بھی لفظ یا طریقے سے اگر کسی نے شہادتین کی تکذیب اور اس کے منکر کی تصدیق کی تو وہ شخص خارج عن الاسلام شمار ہوگا۔ ان طریقوں میں سے چند ہم ذکر کیئے دیتے ہیں۔

کفر پہ رضامندی کی مختلف صورتیں

ا۔ کافر، ملحد، مرتد، مشرک کو کافر نہ سمجھنا یا ان کے کفر میں شک کرنا یا کسی بھی کفریہ مذہب یا طریقے کو صحیح سمجھنا:

اگر کوئی شخص کسی جماعت، مذہب، گروہ، پارٹی میں سے کسی میں بھی واضح کفر دیکھتا ہے اور پھر بھی انہیں کافر نہیں سمجھتا یا ان کے بارے میں یہ کہے کہ ان کی بعض باتیں صحیح ہیں تو ایسا شخص بھی ان لوگوں کے کفر میں داخل اور ان جیسا شمار ہوگا۔

اگر چہ عمومی قاعدہ تو یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا مگر اس کی مزید وضاحت ضروری ہے تا کہ اچھی طرح چھان بین کے بعد کسی پر ارتداد یا کفر کا فتوٰی لگایا جائے۔ مذکورہ قاعدے کی رو سے کسی کو کافر گروہ میں شمار کرنا اور اس پر کفر وارتداد کا فتوٰی لگانا اس وقت درست ہوگا جس ایسا شخص اس جماعت یا گروہ کے کفریہ عقائد یا اعمال سے واقف ہو چکا ہو اور پھر بھی ان کی تکفیر یا تکذیب نہیں کرتا۔ اگر کسی گروہ کے عقائد واعمال کے بارے میں واضح طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ کفریہ ہیں یا نہیں اور ان کو کوئی شخص صحیح سمجھتا ہے یا انہیں غلط نہیں کہتا اور ان کی تکذیب نہیں کرتا تو ایسا شخص کافر شمار نہیں ہوگا بلکہ

ایسے شخص کے سامنے اس جماعت، گروہ یا مذہب کے کفریہ عقائد واعمال کی ایسی وضاحت کی جائے کہ وہ ہر طرح مطمئن ہو جائے اور اس کے دل میں اس گروہ یا مذہب کے کفر کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہے۔ اب اس وضاحت واطمینان کے بعد بھی اگر وہ ان کی تکذیب یا تردید نہیں کرتا تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کا عدم انکار وتردید اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ انہیں صحیح سمجھ رہا ہے۔ اسی طرح بعض مذاہب ایسے ہیں جن کا کفر مشہور و معروف ہے۔ ہر شخص ان سے آگاہ ہے جیسے یہود، عیسائی، مجوسی وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص ان مذاہب والوں کو کافر نہیں سمجھتا تو یہ شخص کافر شمار ہوگا۔ اس کے برعکس وہ گروہ اور مذاہب جن کا کفر عام لوگوں میں مشہور نہیں ہے تو ایسے مذاہب کی تردید نہ کرنے والے شخص پر کفر کا فتوٰی لگانے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ پوری تحقیق واطمینان نہ کر لیا جائے اور ان مذاہب کے کفریہ اعمال یا عقائد کو طشت از بام نہ کر لیا جائے۔ خصوصاً ایسے گروہوں اور جماعتوں کے بارے میں تو بہت ہی احتیاط وتحقیق کی ضرورت ہے جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عوام الناس کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا کوئی بھی مسئلہ یا عمل وعقیدہ اسلام کے خلاف نہیں ہے اور عوام کے سامنے ایسا کوئی کام نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ ان سے متنفر ہو جائیں اور ان کے کفریہ نظریات سے واقف ہو جائیں۔ اسی طرح کفر کا فتوٰی کسی شخص پر اس وقت لگایا جائے گا جب وہ کسی ایسے کام، قول یا عقیدے کا مرتکب وحامل ہو جس کے کفر ہونے پر اتفاق واجماع ہے۔ اگر معتبر علماء کے ہاں کسی قول، عمل یا عقیدے کے کفر ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہو، بعض علماء اسے کفر سمجھتے ہوں اور بعض نہیں، تو ایسے عمل کے مرتکب کو کافر نہ سمجھنے والے کو کافر نہیں کہنا چاہیئے۔ جیسے خوارج یا اس جیسے اور فرقے جن کے کفر وارتداد پر اتفاق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عمداً نماز چھوڑنے والے کو کافر نہیں سمجھتا تو ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا بشرطیکہ تارکِ نماز، نماز کی فرضیت کا منکر نہ ہو۔

جب یہ تمام شرائط مکمل ہو جائیں اور پھر کوئی مسلمان کسی کافر کو کافر نہ سمجھے یا ان کے عقائد ونظریات اور اعمال کو صحیح سمجھے تو یہ بھی انہی میں شمار ہوگا۔ گویا یہ بھی ان کی باتوں کا قائل اور معتقد ہے۔ اور اب یہ ان عقائد کی وجہ سے شہادتین کی نفی کرنے والا شمار ہوگا۔ بالفاظ دیگر یہ شخص ان دلائل کا منکر ہے جن کی وجہ سے وہ جماعت کافر قرار دی گئی ہے لہٰذا ان دلائل کے انکار کی وجہ سے کافر کہلائے گا۔

۲۔ کفار سے دوستی اور ان کے دین پر ان کی موافقت کرنا:

آپ اس بات سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں کہ **لا الـــہ الا اللّٰہ** کی شہادت کا مقصد ہے غیر اللہ سے استحقاقِ

عبادت کی نفی کرنا اور عبادت کا مستحق صرف اللہ عزوجل کو سمجھنا۔ یہی مقصد قرآن کی اس آیت میں بیان ہوا ہے:

﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل : ٣٦)

''اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔''

لہٰذا اس کلمہ کی شہادت صرف اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ عبادت کا مستحق اللہ کو مانا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ غیر اللہ سے عبادت کی نفی کی جائے اور یہ نفی بایں طور ہو کہ مخلوق میں سے کسی کو بھی کسی قسم کی عبادت کا استحقاق نہ دیا جائے۔ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ جبکہ کفار اللہ کو تو عبادت کا کماحقہ مستحق سمجھتے نہیں اور اس کے ساتھ شریک بھی کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اور ان پر اعتراضات کرتے ہیں اور بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو شہادتین کے منافی ہیں۔ یہ بھی ایسی بات ہے جس میں کسی مسلمان کو شک یا اختلاف نہیں ہے۔ جب یہ دو باتیں مسلّم ہیں تو پھر ہر کلمہ گو مسلمان کو ان حدود کا علم ہونا چاہئے جو ایک کافر، مرتد، مشرک کے ساتھ تعلقات رکھنے میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور جن سے تجاوز کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ تاکہ اس طرح وہ اپنے ایمان، دین، معاملات و تعلقات کو صحیح حدود پر رکھ سکے۔ اور وہ یہ ہیں کہ مسلمان کسی مشرک، مرتد، کافر کے دین کی موافقت نہ کرے اور اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار نہ کرے۔ بلکہ اس سے نفرت کرے۔ جب کوئی مسلمان ان حدود کو پھلانگ جائے اور کفار کی اطاعت میں داخل ہو کر ان کے باطل دین کی موافقت کرے، ان کے ساتھ مالی یا دیگر قسم کا تعاون کرے، ان سے دوستی رکھے اور مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر دے اور کفار کے ساتھ تعلقات کو مسلمانوں کے ساتھ تعلقات پر ترجیح دے اور مسلمانوں کی دوستی کو کفار کے ساتھ دوستی پر قربان کر دے تو ایسا شخص کفار میں سے ہی شمار ہوگا اور مرتد کہلائے گا۔ یہ ایسا کافر شمار ہوگا جو اللہ اور رسول ﷺ کا سخت ترین دشمن ہے۔ البتہ اس حکم میں مجبور شخص شامل نہیں ہے۔ مجبور سے مراد وہ شخص ہے جو کفار کے ملک میں ان کی حکومت کے ماتحت رہتا ہو اور وہ کفار اسے اپنے باطل دین یا اپنے غلط احکامات کی پابندی پر مجبور کر دیں، مخالفت کرنے پر اسے قتل کی دھمکیاں دیں یا اور کوئی سزا دیں تو ایسے میں اس شخص کے لئے جائز ہے کہ صرف زبانی طور پر ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملائے اور دل اپنے صحیح دین پر ہی مطمئن رکھے۔ اسی طرح قرآنی آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شہادتین کے اقرار کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ کفار سے دوستی نہ کرے اور دینی امور میں ان سے دشمن کا برتاؤ رکھے۔ اسی طرح قرآن کی بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایسا نہ کرنے والا شخص مرتد ہے۔ اب آپ اگر شہادتین کے معنی کو ان آیات کے

مطالب کے ساتھ ملائیں تو یہ بات واضح ہوگی کہ یہ (ارتداد وکفر) حقیقی ہے اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے (یعنی ایسے شخص کے کفر میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے)۔ اس بارے میں قرآن مجید میں بہت ساری آیات ہیں جن میں سے ہم چند پیش کررہے ہیں۔ فرمایا:

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذَالِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً ﴾ (ال عمران : ۲۸)

''مسلمان مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے تو اس کو اللہ سے کوئی تعلق نہیں، مگر اس حالت میں کہ تم بچاؤ کرنا چاہو۔''

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو کفار کی دوستی، ان سے محبت ومودت رکھنے سے منع کیا ہے۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر (یعنی مسلمانوں کی دوستی قربان کر کے) کفار سے دوستی کرنے سے منع کیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ابنِ جریر کہتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے: ''اے مؤمنو، کفار کو اپنا مددگار، اپنا سہارا نہ بناؤ کہ تم ان کے دین کے مددگار بن کر مسلمانوں پر انہیں غالب کرتے ہو اور مؤمنین کی مخالفت مول لیتے ہو۔ مؤمنین کے راز اُن کافروں تک پہنچاتے ہو۔ ایسا کرنے والے کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی اللہ اس کے ارتداد وکفر کی وجہ سے اس سے بری وبیزار ولاتعلق ہے۔'' (طبری، ج۶)

اس آیت میں جو فرمایا ہے ﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ یعنی ''سوائے اسکے کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو۔'' تو اس کا معنی ومطلب وہی ہے جو دوسری آیت میں ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ﴾ کا ہے۔ یعنی ''مگر جو شخص مجبور کردیا جائے (کفریہ کلمات یا کفار کی حمایت پر) اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ شخص مرتد وکافر نہیں ہے)۔''

یعنی اگر کوئی مسلمان مجبور ہو، کفار سے دشمنی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو (اور ان کے ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہو) تو وہ ظاہری دوستی وتعلقات رکھے مگر دل ایمان باللہ پر مطمئن رکھے اور دل میں ان کفار سے بغض وعداوت رکھے اور کفر سے نفرت کرے۔ ابنِ جریر فرماتے ہیں کہ (ایسی حالت میں) تم ان کی دشمنی ان پر ظاہر نہ کرو۔ البتہ ان کے ساتھ ایسی کوئی مدد نہ کرو جس کی وجہ سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

دوسری آیت جس میں کفار کی دوستی سے ممانعت کی گئی ہے وہ اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَّمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ

مِنكُمْ فَإِنَّهُ مِنهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ○ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُّسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشٰى أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ أَن يَّأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلٰى مَآ أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ○ ﴾ (المآئدة : ۵۱ ـ ۵۲)

''اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اب جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے گا تو وہ انہی میں سے ہوگا۔ بیشک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ دوڑ کر آتے ہیں ان کے پاس، کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آ جائے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لے آئے یا کوئی حکم اپنے پاس سے بھیج دے تو یہ لوگ اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے لگیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کی دوستی سے منع کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو اِن سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے شمار ہوگا۔ جس نے یہود سے دوستی کی وہ یہودی اور جس نے نصرانی سے دوستی کی وہ نصرانی کہلائے گا۔ اسی طرح جس کافر سے بھی دوستی کرے گا تو کفر میں اسی کی طرح ہوگا اس لئے کہ یہ شخص اس کے اعمال وعقائد پر راضی ہے لہٰذا کفر میں اسی کی طرح ہے۔ ابن ابی حاتم نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں عبداللہ بن عتبہ نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص کو اس بات سے محتاط رہنا چاہئے اور بچنا چاہئے کہ کہیں وہ انجانے میں یہودی یا نصرانی نہ ہو جائے۔ تو ہم سمجھ گئے کہ ان کی مراد اس مذکورہ آیت سے ہے جس میں یہودی ونصاریٰ سے دوستی کرنے والے کو بھی انہی میں سے شمار کیا گیا ہے۔ یہ لوگ یہود ونصاریٰ سے دوستی کو مجبوری خیال کرتے ہیں اس لئے کہ ان کو یہود کی طاقت، ان کے مال اور دنیاوی جاہ وحشمت کا خوف ہے۔ یہ مجبوری اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر آپ ان لوگوں کی اس دلیل پر غور کریں گے تو آپ پر خود ہی واضح ہو جائے گا کہ کون سی بات مجبوری ہے اور کونسی نہیں ہے (یعنی یہ کوئی عذر یا مجبوری نہیں ہے کہ یہود ونصاریٰ کے پاس طاقت، مال، دولت، حکومت ہے اس لئے ان سے دوستی رکھنا ضرورت یا مجبوری ہے)

﴿ تَرٰى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خَا لِدُونَ ○ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ○ ﴾ (المآئدة : ۸۰ ـ ۸۱)

’’آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے لوگ ان کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ کیا ہی برا سامان بھیجا ہے انھوں نے اپنے لئے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔ اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی ﷺ پر اور جو نبی ﷺ پر اترا، تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ اللہ اور اس کے نبی پر ایمان کافروں کی دشمنی سے وابستہ اور مربوط ہے۔ ان سے دوستی عدمِ ایمان کی نشانی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ کافروں سے دوستی رکھنے والے اللہ کے غضب اور مستقل عذاب کے مستحق ہوں گے۔ یہ بھی بتایا کہ کافروں سے مؤمن کبھی دوستی نہیں کرتا بلکہ اہلِ ایمان تو ان سے دشمنی کیا کرتے ہیں۔ ان آیات میں غور کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی نہ کرنے کو شہادتین کے معنی میں داخل رکھا ہے اور آیت میں اللہ اور نبی ﷺ اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان کہ جو ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی شہادتین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ○﴾ (النسآء: ۱۳۸ ـ ۱۳۹)

’’منافقین کو بتا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو لوگ مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرتے ہیں کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ (تو جان رکھو کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے دوستی کو منافقوں کی اہم خصوصیت قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴾ (مجادلہ: ۲۲)

’’آپ کسی ایسی قوم کو نہیں پائیں گے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور (پھر) وہ ان لوگوں سے دوستی بھی رکھتی ہو جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں۔ چاہے وہ (اللہ، رسول کے دشمن) ان (مؤمنوں) کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا (دیگر) رشتہ دار ہوں۔‘‘

اس آیت میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ کوئی بھی مؤمن کسی کافر سے دوستی کرتا ہوا نہیں ملتا۔ لہٰذا جو کافروں سے دوستی کرتا ہے وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ دوسری بات اس آیت سے یہ واضح ہوتی ہے کہ جب اپنے کافر باپ، بیٹے، بھائی، رشتہ دار سے دوستی کسی مؤمن کے لئے روا نہیں ہے تو پھر دیگر کفار سے دوستی کرنے والا تو بدرجۂ اولیٰ کافر ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی الشَّیْطَانُ سَوَّلَ لَھُمْ وَ اَمْلٰی لَھُمْ ○ ذَالِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ کَرِھُوْا مَانَزَّلَ اللّٰہُ سَنُطِیْعُکُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِسْرَارَھُمْ ○ فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلَآئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ اَدْبَارَھُمْ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰہَ وَکَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ○ ﴾ (محمد : ۲۵ ۔ ۲۸)

’’جولوگ پیٹھ کے بل پھر گئے اس کے بعد کہ ان پر سیدھی راہ راضح ہو چکی ۔شیطان نے ان کو خوبصورت باتیں بتائیں اور دیر کے وعدے کیئے ۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں سے جو بیزار ہیں اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے ۔کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری بات بھی مانیں گے۔اللہ خوب جانتا ہے ان کی پوشیدہ باتیں ۔پھر کیسا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانیں نکالیں گے۔ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے ۔ یہ اس لئے کہ وہ چلے اس راہ پر جس سے اللہ بیزار ہے اور انہوں نے ناپسند کی اس (اللہ) کی خوشی تو اس نے ان کے اعمال اکارت کردیئے ۔‘‘

اس آیت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ان کے مرتد وکافر ہونے کا سبب ان کا یہ قول ہے جو انہوں نے کافروں سے کہا تھا کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری بات بھی مانیں گے لہٰذا جو ہدایت انہوں نے حاصل کی تھی اس نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا جب انہوں نے اسلام سے نفرت کرنے والے اللہ کے دشمن کافروں سے ان کی بات ماننے کا وعدہ کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیَاتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَءُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ ﴾ (النسآء : ۱۴۰)

’’تم پر کتاب میں یہ بات نازل کردی گئی ہے (تمہیں حکم دیا گیا ہے) کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے یا ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو جب تک کہ وہ دوسری باتیں نہ شروع کردیں (اگر تم پھر بھی بیٹھے رہے) تو تم انہی جیسے ہوگے ۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مؤمن اس جگہ نہیں بیٹھتے جہاں اللہ کی آیات واحکام کا انکار کیا جاتا ہو یا ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو۔ اگر کوئی شخص ایسے کافروں یا مذاق کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے گا تو وہ بھی ان جیسا ہوگا۔ حالآنکہ یہ حکم اس وقت تھا جب شروع اسلام میں شہر بھی کافروں کا تھا اور مسلمان وہاں رہنے پر مجبور تھے۔اب جبکہ اپنے ملک اور شہر ہیں، ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور دوستی کی مجبوری بھی نہیں تو اب کافروں کو اپنے شہروں میں بلانے والے، ان سے

محبت و دوستی کی پینگیں بڑھانے والے، انہیں مشیر بنانے والے (جب کہ وہ اپنے کفریہ نظریات پر قائم ہیں اور اللہ کے احکامات کے ساتھ استہزاء بھی کررہے ہیں) اور علماء کو ملک بدر کرنے والے کیا کافر نہیں کہلائیں گے؟ حالانکہ ان کے اس طرزِ عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کفر اور کفار کو پسند کررہے ہیں۔ اس طرح کا طرزِ عمل ان کو ایمان سے دور اور کفر میں داخل کردیتا ہے۔ اس لئے کہ کفار کی مجلس میں خاموشی ان کی موافقت کی دلیل ہے۔

لہٰذا ہر مؤمن پر واجب ہے کہ ایسے ہر عمل سے اسی طرح محتاط رہے جس طرح کہ کفرِ صریح سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح کی مجالس سے دور رہے تاکہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہ سکے۔ دنیاوی مال دولت یا دیگر اغراض کو اس بارے میں رکاوٹ نہ بننے دے۔

کفار سے دوستی کا معنی

یہ تو چند آیات تھیں جو کفار و مشرکین سے دوستی کرنے کے رد میں بطور نمونہ پیش کی گئیں جبکہ ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے دوستی شہادتین کے مقاصد کے منافی ہے۔ اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ دوستی کا مفہوم تو بہت وسیع ہے اس میں بہت سے ایسے امور بھی آجاتے ہیں جن کے بغیر رہا نہیں جا سکتا اور مجبوراً کفار سے تعلق رکھنا پڑتا ہے لہٰذا (کفار سے) دوستی کی ایسی کوئی تعریف ہونی چاہئے کہ جسے ہم ایک معیار قرار دے دیں اور جس کی بنیاد پر ہم کسی کو کافر یا مسلم قرار دے سکیں۔ اس لئے کہ اسلام میں کسی مبہم وغیر واضح عمل یا قول پر کسی کو کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی مبہم چیز سے منع نہیں کرتا بلکہ باقاعدہ وضاحت کرتا ہے۔ تعریف، شرائط، حدود بیان کرنے کے بعد حرام قرار دیتا ہے۔ اگر بغیر تعریف اور وضاحتِ امر کے اللہ کسی چیز کا حکم کرے یا منع کرے تو اس حکم پر عمل کرنا مشکل ہوگا اور اللہ کا ایسا حکم بے فائدہ رہے گا کیونکہ اس کی اطاعت ممکن نہیں ہوگی۔ (جبکہ اللہ کا ہر حکم ایسے عیوب سے پاک ہے) لہٰذا ضروری ہے کہ تعلقات اور دوستی کی جامع مانع تعریف کر لی جائے اور پھر اس سے منع کیا جائے۔ عربی میں دوستی اور تعلقات کے لئے لفظ مَوَالَاۃٌ استعمال ہوتا ہے جو کہ وِلَآءٌ سے مشتق (ماخوذ) ہے جس کا معنی نزدیکی و قربت ہے۔ لفظ ولایۃ، عداوت (دشمنی) کی ضد ہے۔ وَلِیُّ، عَدُوٌّ کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ وَلِیُّ کا معنی دوست، عَدُوٌّ کا معنی دشمن ہے۔ اس معنی کی رو سے مؤمن اللہ کے اور کافر شیطان کے دوست ہیں۔ اس لئے کہ مؤمن اللہ کی عبادت و اطاعت کرکے اس کا قرب حاصل کرتے ہیں جبکہ کافر شیطان کی اطاعت کرکے اس کے قریب اور اللہ سے دور ہوجاتے ہیں۔ اس لئے کہ شیطان کی اطاعت میں اللہ کی

نافرمانی ہوتی ہے اوراس کے احکام کی مخالفت ہوتی ہے۔اس تشریح سے یہ بات معلوم ہوتی کہ ''کفار کے ساتھ **مَوَالَاۃ** '' سے کفار کا قرب اوران سے محبت ودوستی کا اظہار مراد ہے چاہے کسی عمل سے ہو یا قول سے۔اسی طرح کفار سے دوستی کے زمرے میں جوامور آتے ہیں ان کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے مثلاً

ا۔ کفار کی خواہشات کی پیروی:

﴿ وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلاَ النَّصَارٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلاَ نَصِیْرٌ ○﴾

(البقرة : ١٢٠)

''یہودونصارٰی آپ ﷺ سے کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے دین کی اتباع نہ کرلیں اوراگر آپ نے علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی طرف سے نہ آپ کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار وحمایتی ۔''

یہود و نصارٰی کی اطاعت سے مراد ہے ان کے حکم و مشوروں پر عمل کرنا ۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے :

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِیْنَ○﴾ (آل عمران : ١٤٩)

''اے ایمان والواگرتم کافروں کا کہامانو گےتو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے پھر جاپڑو گےتم نقصان میں۔''

اورفرمایا:

﴿ وَلاَ تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا ﴾ (الکهف : ٢٨)

''اس کا کہا مت مان جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے۔''

فرمانِ باری تعالٰی ہے:

﴿ وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیَآءِ هِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ○﴾ (الأنعام : ١٢١)

''اورشیاطین اپنے رفیقوں کے دل میں بات ڈالتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔اوراگرتم نے ان کا کہا مانا توتم بھی مشرک ہوجاؤ گے۔''

۲۔ ان کی طرف جھکاؤ، میلان رکھنا:

﴿ وَلاَ تَرْكَنُوْآ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ﴾ (هود : ١١٣)

''ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں آگ آ لگے گی۔''

جھکاؤ سے مراد ہے ان کی باتوں پر راضی ہونا۔ ان کی باتوں یا اعمال کی تائید یا تحسین کرنا، دین کے معاملات میں ان کے سامنے سستی کا مظاہرہ کرنا۔

﴿ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ○ ﴾ (القلم : ٩)

''وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی لچک کا مظاہرہ کریں گے۔''

۳۔ ان سے محبت کا اظہار کرنا:

﴿ لاَ تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِا للهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ (مجادله : ٢٢)

''آپ کوئی ایسی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور پھر وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت بھی کرتی ہو۔''

اسی طرح کفار کی عزت کرنا، ان کا قرب حاصل کرنا، اہم ملکی یا نجی معاملات میں ان سے مشورے لینا، اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف کفار سے مدد لینا، ان کے ظالمانہ کاموں میں ان کی مدد وحمایت کرنا، ان کے اعمال کی مشابہت یعنی ان کی نقالی کرنا، ان کے اختیار کردہ فیشن اپنانا، ان کے کھانے پینے، رہن سہن کے طور طریقے اختیار کرنا، ان کے قوانین ودیگر احکامات کو عارضی طور پر امت کی اصلاح وتربیت کے لئے اپنانا، یہ سب کفار کی دوستی ومحبت میں شمار ہوں گے۔

کفار کی مدد میں یہ امور داخل ہیں: ان کی تنظیموں میں شامل ہونا، ان کے ساتھ مخلوط حکومت بنانا، ان کے خفیہ اداروں میں شامل ہو کر جاسوسی کرنا خصوصاً مسلمانوں کی خفیہ معلومات ان تک پہنچنے کا ذریعہ بننا، ان کے ساتھ مل کر یا ان کی فوج میں شامل ہو کر جنگ کرنا، ان کو امانت دار سمجھنا (ان کے بنکوں کو قابل بھروسہ سمجھ کر ان میں اپنا پیسہ رکھنا) جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خائن کہا ہے۔ اپنے اہم مراکز، اداروں کی سربراہی کسی غیر مسلم کو دینا، یا اہم عہدوں پر کفار کو

تعینات کرنا، خصوصاً مسلم فوج میں یا دیگر حساس واہم ملکی اداروں میں ان کو بھرتی کرنا۔

اسی طرح اس دوستی ومحبت میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے افکار وآراء، ان کے معمولاتِ زندگی کو بہترین سمجھنا اور دوسروں کو ان معمولات کو اپنانے کی ترغیب دینا، ان کے ماہرین کو مسلم ماہرین پر ترجیح دینا۔ اب جس شخص یا قوم میں یہ تمام مذکورہ باتیں یا ان میں سے کچھ پائی جائیں اور ان کو اپنی عادت بنا لے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص یا قوم کافروں کے کفریہ اعمال پر راضی وخوش ہے لہٰذا یہ شخص ان کی طرح بلکہ ان میں سے شمار ہوگا اور جب تک اپنے ایمان کی تجدید نہ کر لے اور ان امور سے چھٹکارا حاصل نہ کر لے اس وقت تک وہ انہی میں سے کہلائے گا۔

اس بارے میں کون سا عذر قابلِ قبول ہے؟

کفار سے دوستی وتعلق رکھنے والے بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے ملک یا جان ومال کا ان کفار سے خطرہ لاحق ہے اس لئے مجبوراً ان سے اچھے تعلقات رکھنے پڑ رہے ہیں۔ یہ ایسا عذر ہے جو اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہے یہ صرف شیطان کا بہکاوا اور مال ودولت کی محبت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی، ان کے دین کی موافقت اور ان کی پیروی کے سلسلے میں صرف ایک عذر قبول کیا ہے جسے اِکْـرَاہ (جبر کی حالت) کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝ ﴾

(النحل: ۱۰۶ ـ ۱۰۷)

''جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا سوائے اس کے جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہے (یہ تو مستثنیٰ ہے) لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر عزیز رکھا۔ اور بیشک اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذَالِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً ﴾ (آل عمران: ۲۸)

''مؤمن کافروں کو دوست نہ بنائیں مومنین کو چھوڑ کر۔ اور جو کوئی ایسا کام کرے تو اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں مگر اس حالت میں کہ تم اُن سے بچاؤ کرنا چاہو۔''

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اِکْرَاہ اس وقت تسلیم و معتبر نہیں ہے جب اس میں دل کی رضامندی، کفار کی طرف باطنی میلان یعنی کوئی خفیہ تعلق یا کوئی غرض ہو۔ اس طرح کی کیفیت پر اِکْـرَاہ کا اطلاق ہی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ نے اکراہ کے لئے وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ کی شرط لگائی ہے۔ اس لئے کہ جسم پر زبردستی کی جاسکتی ہے، اسے مجبور کیا جاسکتا ہے مگر کسی کے دل کو کسی بات پر آمادہ کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اِکراہ (زبردستی، جبر) صرف زبان اور جسمانی افعال تک ہی ہے لہٰذا جو شخص (خواہ اِکراہ کی حالت میں) دلی طور پر کفار سے دوستی کرتا ہے یا ان کی طرف مائل ہے تو ایسا شخص کافر شمار ہوگا۔ ایسے شخص کی زبان یا عمل سے اگر کفار کی دوستی ظاہر ہوتی ہے تو دنیا میں اس کے ساتھ کفار والا معاملہ کیا جائے گا اور آخرت میں ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور اگر زبان یا عمل سے کفار سے دوستی کا اظہار نہ کرے، بظاہر مسلمان بن کر رہے تو اس کا مال اور خون مسلمانوں کی طرح محفوظ رہے گا مگر منافق ہونے کی بنا پر جہنم کے سب سے نچلے درجے میں رہے گا۔

اکراہ کی معتبر صورت

اس مقام پر اکراہ کی وہ صورت بیان کرنا ضروری ہے جسے شریعت میں معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اس بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے مذاہب میں غور و فکر کیا تو اکراہ کی صورتوں میں اختلاف پایا اور یہ اختلاف مجبور کرنے والے کی وجہ سے ہے۔ مثلاً کلمۂ کفر کہنے میں وہ اکراہ معتبر نہیں ہے جو ہبہ وغیرہ میں معتبر ہے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر بیان کیا ہے کہ کفر پر اکراہ صرف وہی معتبر ہے جو سزا کے ذریعہ سے ہو۔ صرف زبانی طور پر کسی کو مجبور کر کے کلمۂ کفر نہیں کہلوایا جاسکتا اگر کسی نے ایسی مجبوری کی وجہ سے کفریہ کلمہ کہا تو یہ معتبر نہ ہوگا۔ کلمۂ کفر اس صورت میں کہے گا جب اسے قید یا قتل یا اس جیسی اور کوئی دھمکی دی گئی ہو (جس پر عملدرآمد ہونے کا پورا امکان ہو)۔ اس فرق کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ اگر ایک عورت نے اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ (معاف) کر دیا مگر پھر اس نے اپنی بات سے مکرنا چاہا مگر یہ سوچ کر چپ رہی کہ کہیں مہر طلب کرنے پر شوہر طلاق نہ دے دے یا اس کی زندگی تلخ نہ بنا دے تو یہ بھی اکراہ اور مجبوری ہے اور ایسے معاملات میں معتبر ہے۔ مگر کفر کرنے کے لئے ایسی مجبوری کافی

نہیں ہے مثلاً اگر کوئی قیدی اس بات سے ڈرتا ہو کہ اگر میں نے کفر نہ کیا تو یہ لوگ میری شادی نہیں ہونے دیں گے یا میرے اور میری بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں گے تو اس بنیاد پر اسے کفر کرنے کی اجازت نہیں ہے، خواہ اس کی شادی رکتی ہو یا بیوی سے علیحدگی ہوتی ہو۔

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کی یہ رائے ہے جس کی تائید وحمایت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کی ہے کہ مجبور آدمی کلمۂ کفر اس وقت کہے گا جب اتنا مجبور کر دیا جائے کہ اسے مارا پیٹا جائے یا قتل کرنے کے درپے ہوں۔ اس سے کم کوئی معاملہ ہو مثلاً نوکری جانے، عہدے سے معزولی یا دیگر مالی نقصان ہو یا ملک یا بال بچوں کا معاملہ ہو تو یہ مجبوری قابلِ قبول نہیں ہے۔

ان دونوں ائمہ رحمہم اللہ کی رائے کی تائید سابقہ دلائل سے بھی ہوتی ہے جن میں کفار کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اور اس دوستی کو کفر وارتداد کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ایک اور آیت ہم یہاں پیش کر رہے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ دنیا کی محبت ومنافع کے لئے کفار سے دوستی کرنے والے کو اللہ کے ہاں کسی کی کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی اگر یہ دوستی اس کو کفر کے زمرے میں لانے یا کفریہ عمل کرنے کا سبب بنتی ہو۔ ارشاد ہے:

﴿ ذَالِکَ بِـاَنَّهُـمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَیَاةَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَةِ وَ اَنَّ اللهَ لاَ یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکَافِرِیۡنَ ۝ ﴾
(النحل : ۱۰۷)

''یہ (کفار سے دوستی) اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے دنیا کو آخرت کے مقابلے میں پسند کرلیا ہے بے شک اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔''

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ کے مقابلے پر اپنے باپ بھائیوں کو دوست بناتے ہیں۔

﴿ یَآ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لاَ تَتَّخِذُوۡٓا اٰبَآءَ کُمۡ وَاِخۡوَانَکُمۡ اَوۡلِیَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡکُفۡرَ عَلَی الۡاِیۡمَانِ وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِنۡکُمۡ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ ﴾ (التوبة : ۲۳)

''ایمان والو، اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست مت بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں۔ جس نے بھی تم میں سے انہیں دوست بنایا، تو (جان رکھو کہ) ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں، قرابت داروں سے تعلقات رکھنے کو بھی عذر تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی نفی کر

دی ہے کہ کوئی شخص یہ مجبوری پیش نہ کر سکے کہ کفر کو پسند کرنے والے سے تعلق اس لئے رکھنا پڑ رہا ہے کہ وہ میرا باپ ہے یا بھائی ہے۔ جب باپ، بھائی، بیٹے کی محبت کو عذر و مجبوری تسلیم نہیں کیا گیا ہے تو پھر دنیاوی مال ومتاع کو کیسے عذر مانا جائے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ قسم کے عذر کو بھی بیکار و بے فائدہ قرار دیا ہے جو عموماً لوگوں کے ہاں تسلیم شدہ ہیں اور جن کی بنا پر اللہ ورسول کی محبت واطاعت میں کمی وسستی کی جاتی ہے۔ فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ○ ﴾ (التوبۃ : ۲۴)

''آپ ﷺ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، برادری اور مال جو تم نے کمایا اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے، تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب)۔ اور اللہ تعالیٰ راستہ نہیں دکھاتا نافرمان لوگوں کو۔''

اسی طرح جن لوگوں نے کسی مصیبت و پریشانی اور یہود ونصاریٰ کی کسی سازش کے ڈر سے ان سے دوستی کرنے کو مجبوری کہا تو اللہ نے ان کا یہ عذر بھی قبول نہ کیا۔ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَّمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾

(المآئدۃ : ۵۱ ۔ ۵۲)

''ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔ بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے کہ ان (یہود وعیسائیوں) کی طرف دوڑ دوڑ کے (دوستی کے لئے) جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہم کسی گردش میں نہ آجائیں۔''

موجودہ دور میں یہی حال اکثر مرتدین کا ہے۔ انہیں بھی یہودیوں کی سازشوں کا ڈر ہے اس لئے ان سے اچھے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ سابقہ اور موجودہ دونوں قسم کے مرتدین کا عذر بھی ایک جیسا ہے۔ یہ بھی وہی عذر پیش کر رہے ہیں جو پہلے کے لوگ کر رہے تھے۔ یہ بھی سازش سے ڈرتے ہیں وہ بھی ڈرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہم ان سے دوستی کیوں نہ کریں ان کے پاس طاقت ہے بلکہ سپر طاقت ہے ہم ان کی دشمنی مول لے کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے (اگرچہ اس دوستی کے لئے انہیں دین وعقیدہ قربان کرنا پڑے)۔

کبھی کہتے ہیں ہم اس سپر پاور کی ترجیحات سے کیسے لاتعلق رہیں جس کی طاقت وعظمت کی پوری دنیا قائل ہے۔ اگرچہ اس طاقت کی ترجیحات میں مسلمانوں کا قتل، ان کے اتحاد کو ختم کرنا، ان کے اخلاق بگاڑنا، ان کو دین اسلام سے دور کرنا، انہیں اپنے ملکوں، علاقوں، گھروں سے نکالنا سرِ فہرست ہو پھر بھی ان سے دوستی کی جائے؟ کسی غیرت مند مسلمان کے لئے یہ کیسے ممکن ہے؟ کبھی کہتے ہیں ہم اس جگہ ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتے جہاں اس طاقت کی حکمرانی یا عمل دخل ہے اگر ہم انکی حمایت نہ کریں۔ اس لئے کہ ان کی مخالفت کر کے ہم اپنے گھروں کو قربان نہیں کر سکتے، اپنا ملک نہیں چھوڑ سکتے۔ حالآنکہ یہ خوف کسی سپر پاور سے نہیں بلکہ اللہ سے رکھنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کا خوف غیر اللہ سے رکھے گا تو یہ کفر کہلائے گا۔ اس طرح یہ لوگ دو مرتبہ کافر بنتے ہیں ایک تو کفار سے دوستی کر کے اور دوسرے ان کی عبادت کر کے۔ یعنی وہ خوف اور ڈر جو صرف اللہ سے رکھنا چاہئے وہ ان کفار سے رکھ کے ان کی عبادت کے مرتکب ہوئے۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ کے ہاں کفار سے دوستی کرنے والے کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہے سوائے اس شخص جس کا حال عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسا ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ ﴾

''جسے مجبور کر دیا گیا (کلمہ کفر کہنے پر) اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجبور شخص کفار کے قبضہ وطاقت میں ہو اور وہ لوگ اس پر مکمل اختیار رکھتے ہوں تو ایسے میں اگر اسے مجبور کر دیا جائے تو اسے رخصت ہے کہ خلافِ ایمان واسلام عمل یا قول اس سے سرزد ہو۔ مگر جب کفار کی سزا اور تسلط ختم ہو جائے تو پھر مجبوری بھی ختم ہو جائے گی۔ اگر وہ لوگ دوبارہ سزا دیں تو پھر رخصت بھی دوبارہ مل جائے گی۔ آپ ﷺ نے عمار رضی اللہ عنہ سے کہا تھا ((فَاِنۡ عَادُوۡا فَعُدۡ)) ''اگر وہ پھر ایسا کریں تو تم بھی ویسا ہی کرنا'' ابنِ

قدامہ کہتے ہیں: ''جب یہ ثابت ہوا کہ مجبور شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا تو جب بھی اس کی مجبوری ختم ہوگی وہ اپنے اسلام کا اظہار کرے گا۔ جب وہ اسلام کا اظہار کرلے گا تو وہ اسلام پر باقی رہے گا۔ اور اگر مجبوری ختم ہونے کے بعد بھی اس نے کفر کا اظہار کیا تو وہ کافر شمار ہوگا۔ اس لئے کہ یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اس نے مجبور ہو کر نہیں بلکہ دلی اطمینان کے ساتھ کفر اختیار کیا ہے۔'' (المغنی، ج۹، صفحہ۲۴)

البتہ اگر کوئی شخص مجبور کئے جانے کے باوجود بھی کلمۂ کفر نہیں کہتا، نہ کفار سے دوستی کرتا ہے، نہ ان کے دین کی موافقت کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی جان چلی جاتی ہے تو اس شخص کو فضیلت حاصل ہے بنسبت اس کے جو مجبور ہو کر کفریہ الفاظ کہتا ہے یا عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ محمد ﷺ نے فرمایا:

((قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْضَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا ثُمَّ يُؤْتٰى بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ وَ يُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ مَا دُوْنَ لَحْمِهٖ وَعَظْمِهٖ مَا يَصُدُّهٗ ذَالِكَ عَنْ دِيْنِهٖ)) (بخاری)

''تم سے پہلے جو لوگ (مسلمان) تھے ان میں کسی آدمی کو پکڑ لیا جاتا تھا پھر زمین میں گڑھا کھود کر اس میں (آدھا) دبا دیا جاتا پھر اس کے سر پر آری رکھ کر درمیان سے دو حصوں میں کاٹ دیا جاتا تھا اور (مسلمان کو) لوہے کی کنگھی سے چھیلا جاتا تھا یہاں تک کہ گوشت چھل جاتا، ہڈیاں ظاہر ہو جاتیں مگر یہ (سختیاں) اسے اپنے دین سے نہیں پھیر سکتی تھیں۔''

اس کی تائید اصحاب الأخدود کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے کہ خندقیں کھود کر اس میں آگ جلائی گئی اور پھر مؤمنوں کو اس میں ڈال کر جلا دیا گیا مگر وہ بھڑکتی ہوئی آگ سے بھری خندقیں ان مؤمنین کو اپنے دین سے نہ ہٹا سکیں اور اس طرح انہوں نے اپنی جانوں کی قربانی دے دی مگر دین پر ثابت قدم رہے۔ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے:

﴿ قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ ○ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ○ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ○ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ○ ﴾ (البروج: ٤-٧)

''مارے گئے کھائیاں کھودنے والے۔ آگ تھی بہت ایندھن والی جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ وہ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کو مجبور کر دیا جائے اور وہ موت کو ترجیح دے تو اس کا اجر رخصت پر عمل کرنے والے سے بڑھ کر ہے۔

(تفسیر قرطبی، ج ۱، صفحہ ۱۸۸)

اسلام کی ناپسندیدگی کی چند صورتیں

یہاں ہم اسلام سے نفرت، یا اس سے کراہت و ناپسندیدگی کی دو صورتیں ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے آدمی کفر و ارتداد کی طرف چلا جاتا ہے حالانکہ وہ لا اله الا الله محمد رسول الله کا قائل ہوتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے۔

۱۔ کسی ایسی چیز کا مذاق اڑانا جس کا دینِ اسلام سے واضح تعلق ہو، اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ یا اس کے رسول ﷺ یا کتاب اللہ یا مؤمنین کا ایمان کی وجہ سے مذاق اڑانا دین سے خروج کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيَاتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ○ ﴾

(التوبة : ٦٥ ـ ٦٦)

”آپ ﷺ کہہ دیجئے کیا تم اللہ سے، اس کے رسول سے اور اس کے احکام سے مذاق کرتے ہو؟ بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے اظہارِ ایمان کے بعد۔ اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعض کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو، اس وجہ سے کہ وہ گناہ گار تھے۔“

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں ایک آدمی نے کہا کہ ہم نے ان قاریوں سے بڑھ کر کوئی جھوٹا، بزدل اور کھانے کا شائق اور کوئی نہیں دیکھا (یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے قراء صحابہ کرام)۔ جناب عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تم منافق ہو میں یہ بات نبی ﷺ کو ضرور بتاؤں گا۔ عوف رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کو بتانے کے لئے گئے تو قرآن نے ان سے پہلے نازل ہو کر نبی ﷺ کو ساری صورتحال بتا دی تھی۔ لہٰذا وہ (منافق) آدمی اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کرنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے اور صرف وقت گزارنے کے لئے باتیں کر رہے تھے کہ ایسی بات منہ سے نکل گئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ گویا اب بھی میں اس آدمی کو آپ ﷺ کی اونٹنی کے تسمے کو تھامے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ اس کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے اور وہ کہتا

جا رہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم صرف مذاق کر رہے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ اس کی طرف التفات کیے بغیر بس یہ فرما رہے تھے: ((اَبِاللّٰهِ وَ اٰيَاتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ)) ''مذاق کے لئے تمہیں اللہ، رسول اور اس کے احکامات ہی ملے ہیں؟''

(ابن کثیر، جلد۲۔ صفحہ ۳۶۷)

دین کے ساتھ استہزاء و مذاق کی اور بھی بے شمار صورتیں ہیں۔ سب کا مقصد دینِ اسلام کی توہین اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ مذاق کبھی زبان سے، کبھی اپنے عمل سے اڑایا جاتا ہے۔ کبھی آنکھ اور کبھی زبان کے اشارے سے، کبھی ہونٹوں کو بگاڑ کر اور کبھی ہاتھوں کے اشاروں سے۔ ان میں سے جو بھی حرکت کتاب اللہ کی تلاوت یا سنت رسول کے درس یا اسلام کے عقائد یا دیگر بنیادی مسائل کے تذکرہ کے دوران کی جائے، اسے اسلام کی توہین ہی شمار کیا جائے گا۔

۲۔ اللہ یا اس کے رسول کے احکام کے تذکرے کے دوران غصہ یا ناپسندیدگی کا اظہار یا دین کی دعوت سے نفرت کا اظہار بھی دین کو ناپسند کرنے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمُ اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝﴾ (الحج : ۷۲)

''جب ان کو ہماری واضح آیات سنائی جائیں تو آپ منکرین کے چہرے پر ناخوشی و نفرت دیکھیں گے۔ قریب ہے کہ وہ حملہ کر دیں اُن پر جو اُن کے پاس ہماری آیات پڑھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ میں تم کو اس سے بدتر چیز بتلاؤں، وہ آگ ہے! اس کا وعدہ اللہ نے کر دیا ہے منکروں سے۔ اور وہ جانے کی بہت بری جگہ ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝﴾ (محمد : ۹)

''یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ کو ناپسند کیا تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔''

مرتد ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ علماء کی آراء

اس بحث کے آخر میں ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ کچھ علماء کی آراء مع دلائل پیش کر دیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کون سے

افعال، اقوال یا اعتقادات ہیں جو کسی کو اسلام سے خارج کرنے کا سبب بنتے ہیں تاکہ ہر مسلمان ان سے واقف ہو سکے اور ان سے بچنے کی کوشش کرتا رہے اور دوسروں کو بھی ان سے محفوظ رہنے کی تاکید کرتا رہے۔ ان اسباب میں سے اکثر ایسے ہیں جن پر علماء کا اتفاق ہے اور بہت کم باتیں ہیں جن میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

کتاب ''الزواجر عن ارتکاب الکبائر'' میں امام ابن حجر الہیثمیؒ نے کہا ہے کہ کفر وشرک کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی زبان سے یا دل سے اس بات کو تسلیم کرے جو عقلی لحاظ سے محال ہو تو ایسا شخص کافر کہلائے گا یا ایسی بات کا عقیدہ رکھے جو عقلی طور پر محال چیز کے وجوب کے عقیدہ پر دال ہو یا اس کا فعل یا الفاظ اس بات پر دلیل ہو۔ خواہ وہ فعل اعتقاداً اہو، یا عناد کے طور پر ہو، یا مذاقاً ہو۔ مثلاً کوئی شخص عالم کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھے یا ان صفات کی نفی کرے جو بالاجماع اللہ کے لئے ثابت ہیں جیسے اللہ کا علم یا اس کی قدرت یا اس کا عالم بالجزئیات ہونے کا انکار یا اللہ سے جس چیز کی نفی ضروری ہے اسے ثابت مانے جیسے اللہ کے لئے رنگ ثابت کرنا کہ اس کا رنگ ایسا ہے۔ اس کے بعد اس بات کی تفصیل انہوں نے یوں بیان کی ہے کہ جو شخص ایسا کوئی عمل کرے جو صرف کسی کافر سے ہی سرزد ہوتا ہے (تو یہ شخص کافر کہلائے گا) اگر چہ اسلام کا اظہار کرتا ہو۔ مثلاً ایک مسلمان کہلانے والا عیسائیوں کے ساتھ ان کے طور طریقے اپنا کر صلیب گلے میں لٹکا کر گرجا میں جاتا ہو یا قرآن جس کاغذ پر لکھا ہو یا اللہ کا نام لکھا ہوا سے گندگی میں کوڑے میں پھینکتا ہو یا کسی ایسے نبی کی نبوت میں شک کرتا ہو جس پر اجماع ہو چکا ہو یا کسی کتاب کے نزول کا انکار کرتا ہو جیسے تورات، انجیل، زبور، صحفِ ابراہیم یا قرآن کی کسی آیت کا انکار کرتا ہو یا اس آدمی کے کافر ہونے میں شک کرتا ہو جو پوری امت کو گمراہ سمجھتا ہے یا صحابہ کرام کو کافر قرار دیتا ہو یا کوئی شخص مکہ، کعبہ، مسجد حرام، حج کے طریقوں یا ان کی مشہور کیفیت میں شک کرتا ہو، یا روزہ، نماز کی فرضیت میں شک کرے یا حرام کو حلال سمجھے۔ جیسے بغیر وضوء کے نماز کو جائز سمجھنا۔ یا کسی مسلمان یا ذمی کو بغیر کسی شرعی جواز کے سزا دینا جائز سمجھتا ہو (صرف اپنے اعتقاد کی بنیاد پر)۔ یا کسی حلال چیز کو حرام سمجھے جیسے نکاح، تجارت وغیرہ یا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہے کہ ان کا رنگ کالا تھا یا ان کی وفات داڑھی نکلنے سے پہلے ہوگئی تھی یا یہ کہے کہ آپ ﷺ قریشی نہیں تھے یا عربی یا انسان نہیں تھے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی ایسی کوئی صفت بیان کرنا جو آپ ﷺ کی تھی نہیں یہ آپ ﷺ کی تکذیب ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی جن صفات پر اجماع ہو چکا ہے ان میں سے کسی صفت کا انکار بھی کفر ہے۔ جس طرح کہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کا عقیدہ۔ یا کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے یا آپ ﷺ کا انتقال مدینہ میں ہوا وغیرہ۔ یا کوئی

شخص یہ کہے کہ نبوت اکتسابی چیز ہے (یعنی کوئی بھی شخص اپنی محنت وصلاحیت سے نبوت حاصل کرسکتا ہے) یا تزکیۂ نفس کے ذریعے سے نبوت کے درجے تک پہنچا جا سکتا ہے یا یہ کہے کہ ولی کا رتبہ نبی سے بڑھ کر ہے اور ولی کو بھی وحی ہوتی ہے مگر وہ اس کا دعویٰ نہیں کرتا یا یہ کہ ولی مرنے سے پہلے ہی جنت میں جا سکتا ہے یا ہمارے نبی ﷺ یا کسی اور نبی یا فرشتوں کی طرف کسی عین کی نسبت کرتا ہو یا آپ ﷺ پر (نعوذ باللہ) لعنت کرتا ہو یا گالیاں دیتا ہو یا نبی ﷺ کا مذاق اڑاتا ہو یا آپ ﷺ کی تحقیر کرتا ہو یا آپ ﷺ کی ذات یا آپ ﷺ کے نسب پر کسی قسم کا الزام لگاتا ہو یا آپ ﷺ کے دین یا آپ ﷺ کے اعمال میں عیب نکالتا ہو یا آپ ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرتا ہو جو آپ کی شان کے منافی ہو یا آپ ﷺ کے بارے میں بے عقلی کی باتیں کرتا ہو یا بدزبانی کرتا ہو یا آپ ﷺ پر جو تکالیف وآزمائشیں آئی ہیں ان کو عار کا سبب سمجھتا ہو یا بشری عوارض جو کہ آپ ﷺ کے لئے جائز تھے ان پر اعتراضات کرتا ہو، ان مذکورہ اقوال، اعمال، اعتقادات میں سے کسی کا بھی ارتکاب کرے تو وہ شخص بالاجماع کافر ہے۔ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس کو توبہ کی بھی مہلت مت دو۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہُ نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے آپ ﷺ کے لئے یہ لفظ استعمال کیا تھا ''عند صاحبکم ''اس سے آپ ﷺ کی تنقیص مراد تھی (حالانکہ بظاہر لفظ میں کوئی برائی نہیں تھی اس کا معنی ہے: تمہارے ساتھی کے پاس) مگر اس شخص نے ایسے موقع پر استعمال کیا تھا جس سے آپ ﷺ کی توہین ہو رہی تھی ۔

ابن حجر ہیثمی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''کوئی شخص کفر پر راضی ہوا گرچہ ضمناً ہو مثلاً کسی کافر کو اشارۃً منع کر دے کہ مسلمان نہ ہونا یا کسی کے لئے کافر ہونے کی دعا کرے یا کسی مسلمان کو (بلا تاویل) کافر کہے (تو ایسا شخص بھی کافر ہے) اس لئے کہ اس نے اسلام کو کفر قرار دے دیا۔ یا اللہ تعالیٰ کے نام یا نبی ﷺ کے نام کا مذاق اڑائے، ان کی توہین کرے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے نبی ﷺ کے کسی حکم، وعدے، وعید کا مذاق اڑائے۔ مثلاً یہ کہے کہ اگر اللہ نے مجھے جنت دے دی تو میں اس میں نہیں جاؤں گا (اس کی اہمیت سے انکار کی بنا پر، اسے معمولی سمجھتے ہوئے یا انکار کرتے ہوئے) یا یہ کہے کہ میں بیمار ہوں اس لئے نماز نہیں پڑھ سکتا اب اگر اللہ نے مجھ سے اس کا مواخذہ کیا تو یہ ظلم ہوگا۔ یا اگر کوئی مظلوم کسی ظالم سے کہے کہ تیرا ظلم تو اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کی وجہ سے ہے اور اس کے جواب میں ظالم کہے کہ میں اللہ کی تقدیر کے بغیر ظلم کر رہا ہوں تو یہ (ظالم) کافر ہوگا اپنے اس قول کی وجہ سے۔ (کیونکہ یہ اللہ کی تقدیر کا انکار ہے)۔ یا کوئی شخص کہے کہ میرے پاس گواہی کے لئے

فرشتہ یا کوئی نبی آ جائے میں پھر بھی نہ مانوں گا یا یہ کہے کہ اگر فلاں شخص نبی ہوتا تو میں اس پر کبھی ایمان نہ لاتا۔ یا یہ کہے کہ اگر نبی ﷺ کا فلاں قول سچا ہے تو پھر ہم کامیاب ہیں (یعنی آپ ﷺ کے کے قول کی سچائی میں شک کا اظہار کرے) ۔یا کسی شخص سے کہا جائے کہ ناخن کاٹو، یہ نبی ﷺ کی سنت ہے تو وہ یہ کہے کہ اگر چہ سنت ہے میں پھر بھی نہیں کاٹوں گا۔ یا یہ کہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنے سے بھوک تو نہیں مٹ سکتی یا کسی بھی ذکر اذکار کے بارے میں ایسی کوئی بات کرے۔ یا اذان سن کر یہ کہے کہ مؤذن جھوٹ بول رہا ہے۔ یا کفار اپنی عبادات کی طرف بلانے کے لے جو آوازیں لگاتے ہیں یا کوئی چیز بجاتے ہیں ان جیسی آواز نکالے یا اذان کی توہین وتحقیر کرے یا بطور استہزاء کے حرام چیز پر اللہ کا نام لے (ذبح کرنے یا کھانے کے لئے) یا استہزاءً کہے کہ میں قیامت سے نہیں ڈرتا یا اللہ کے بارے میں یہ کہے کہ وہ چور کا پیچھا نہیں کر سکتا (وہ عاجز ہے) یا یہ کہے کہ فلاں چیز یا فعل حرام کر کے اللہ نے ظلم کیا ہے۔ یا کافروں کے دین سے متاثر ہو کر ان کا لباس اختیار کرے یا اسے پسند کرتا ہو یا یہ کہے کہ مسلمانوں سے یہودی بہتر ہیں۔ یا کسی سے پوچھا جائے کہ ایمان کیا ہے تو وہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم (اور یہ بات وہ تحقیر کے طور پر کہہ رہا ہو)۔ صحابہ کرام میں سے ابوبکر صدیق رضی للہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر بہتان لگائے۔ ایسا شخص اس لئے کافر ہے کہ وہ قرآن کی تکذیب کر رہا ہے۔ یا، مذاق میں بھی اگر کہتا ہے کہ میں اللہ ہوں یا یہ کہے کہ میں اللہ کا حق نہیں جانتا اور اس بات سے مراد اللہ کے فرض کردہ امور کا انکار ہو یا یہ کہے کہ حشر جہنم کی کیا حیثیت ہے؟ (بطور تحقیر یا انکار کے) یا تحقیر کے طور پر یہ کہے کہ قرآن سے یا نماز یا ذکر اللہ سے میرا پیٹ بھر گیا ہے (یعنی اب مجھے مزید کی ضرورت ہی نہ رہی بہت کر لیا یہ سب کچھ) یا یہ کہے کہ تمام جہاں پر لعنت ہے اس میں چونکہ انبیاء اور ملائکہ بھی آ جاتے ہیں لہٰذا یہ شخص کافر ہے۔ یا یہ کہے کہ اس شریعت (اسلام) کی کیا حیثیت ہے؟ (توہین آمیز انداز سے کہے) یا یہ کہے کہ جب ربوبیت ظاہر ہو جاتی ہے تو الوہیت ختم ہو جاتی ہے یعنی احکام کی پابندی کی ضرورت نہ رہی۔ یا یہ کہے کہ میں صفتِ ناسوتیت سے لاہوتیت میں فنا ہو چکا ہوں (ناسوتیت کا معنی ہے انسانیت، لاہوتیت کا مطلب ہے خدائی صفات یا الوہیت)۔ یا یہ کہے کہ میں نے اللہ کو دنیا میں ظاہری حالت میں دیکھا ہے یا اللہ نے مجھ سے براہِ راست بات کی ہے یا وہ خوبصورت شکل میں حلول کرتا ہے یا یہ کہے کہ اللہ نے مجھ سے احکام کی پابندی ختم کر دی ہے یا یہ کہے کہ بندہ عبودیت کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے اور طریقے سے اللہ تک پہنچ سکتا ہے یا یہ کہے کہ روح، اللہ کے نور کا حصہ ہے اور جب نور نور سے ملتا ہے تو ایک ہی چیز بن جاتی ہے (تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے)۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قرآن کی آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ۝﴾ (المآئدۃ : ۴۴) ''جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ (حکومت) نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں'' کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس بارے میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ جو شخص اللہ کے اپنے رسول پر نازل کردہ احکام کو لازمی اور واجب نہیں سمجھتا وہ شخص کافر ہے۔ اس لئے کہ جو بھی قومیں ہیں وہ اکثر عادلانہ فیصلے کرتی ہیں بلکہ عدل اکثر ان کے دین میں ہوتا ہے اور ان کے اکابر بھی یہی کہتے ہیں بلکہ اکثر لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں وہ بھی اپنی قوم کے طریقوں پر فیصلے و حکومتیں کرتے ہیں اللہ کے احکام کے مطابق نہیں کرتے۔ جیسے گاؤں دیہاتوں کے باشندے۔ اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہی صحیح اور بہتر ہے جبکہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ یہی دراصل کفر ہے۔ اس لئے کہ اکثر لوگ اسلام لانے کے باوجود فیصلے اور حکومتیں اپنی سابقہ عادات و اطوار کے مطابق کر رہے ہوتے ہیں جن کا حکم ان کے سرداروں نے دیا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جب یہ معلوم بھی ہوتا ہے کہ فیصلہ صرف اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق کرنا چاہئے پھر بھی اسے نہیں اپناتے بلکہ جائز سمجھتے ہیں کہ اللہ کے احکامات کے خلاف فیصلہ کریں۔ لہٰذا یہ لوگ کافر ہیں۔''

(منہاج السنۃ النبویہ)

اس مضمون کے ضمن میں عقیدہ طحاویہ کے شارح کہتے ہیں کہ یہاں ایک اہم امر ہے جسے سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کسی اور طریقے پر فیصلہ یا حکومت کرنا کفر ہے۔ امت سے یہی بات منقول ہے۔ مگر کفر کا فتویٰ حاکم کی حالت و کیفیت کے مطابق لگایا جائے گا۔ مثلاً اگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے اور مجھے فیصلہ و حکومت اپنی مرضی سے کرنے کا اختیار ہے یا اسے یہ تو یقین ہے کہ فیصلے اللہ کے احکام کے مطابق ہونے چاہئیں مگر وہ اس کو اہمیت نہیں دیتا تو ایسا حکمران اور فیصلہ کرنے والا بڑا کافر ہے۔''

(شرح عقیدۃ الطّحاویۃ، صفحہ ۳۶۳)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، آیت ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ﴾ (المآئدۃ : ۵۰) ''کیا یہ لوگ جاہلیت کے دور کے فیصلے تلاش کر رہے ہیں؟'' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی بات اور فیصلوں کو رد کر رہا ہے جو اللہ کے محکم فیصلہ کو چھوڑ کر، جس میں ہر قسم کی بھلائی موجود ہے اور جو ہر شر سے محفوظ ہے، کسی اور قسم کی آراء اور

خواہشات کی طرف جاتے ہیں اوران اصلاحات وقوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں جولوگوں نے وضع کیئے ہیں جن کی بنیادشریعت پرنہیں ہے۔جیسا کہ اسلام سے قبل دورِجاہلیت میں ہوتا تھا کہ وہ اپنی گمراہ کن آراء کے مطابق فیصلے کرتے تھے جن کی بنیادصرف ان کی خواہشات ہی تھیں۔اور جس طرح کے فیصلے تاتاری اپنے زیرِقبضہ ممالک میں کرتے تھے۔اور یہ فیصلے انہوں نے اپنے بادشاہ چنگیز خان سے لئے تھے جس نے ان لوگوں کے لئے ''الیاسق'' نام سےقوانین کا مجموعہ بنایا تھا جومختلف شرائع سے ماخوذ تھا یعنی یہودیت،نصرانیت اوراسلام وغیرہ۔اس یاسق میں بہت سے احکام ایسے بھی تھے جوکسی شریعت سے ماخوذ نہ تھے بلکہ صرف اورصرف چنگیز خان کے اپنے خیالات وخواہشات سے بنے تھے۔اس کے بعد آنے والی اس کی اولاد نے اسے شریعت کا درجہ دے دیا اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ پراس کومقدم سمجھنے لگے۔جس جس نے بھی یہ کام کیا ہے وہ کافر ہے۔اس کے خلاف اس وقت تک قتال کرنا چاہیئے جب تک وہ اللہ اوررسول کے احکام کی طرف رجوع نہ کرلے اورکوئی بھی فیصلہ بڑا ہو یا چھوٹا اللہ ورسول کے احکام کی روشنی میں نہ کرنے لگے۔'' (ابن کثیر،جلد۲،صفحہ۶۷)

ابنِ کثیر رحمہ اللہ کے اس کلام کے ضمن میں شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں:

''کیا اللہ کی شریعت کی موجودگی میں یہ جائز ہے کہ مسلمان اپنے ملکوں مین خودساختہ یا کسی اور سے لئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے اورحکومتیں کریں یا غیرمسلموں کے ایسےقوانین اپنائیں جن میں لوگوں کی ذاتی آراء وخواہشات کا دخل ہوتا ہے اور جب چاہیں وہ اپنی خواہشات ومفادات کے لئے ان قوانین میں ترامیم کرتے رہیں اوران قوانین کواپنانے والے کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ اسلامی شریعت کے مطابق ہیں یا مخالف؟

مسلمانوں میں یہ خرابی جوآئی ہے کہ وہ شریعتِ اسلامی کی موجودگی میں لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین پرعمل کرتے ہیں یہ تاتاریوں کے مظالم کی وجہ سے آئی۔اس لئے کہ یہ دورمسلمانوں پر بہت سخت آزمائش کا تھا انہوں نے بہت سختیاں برداشت کیں مگر مسلمان پھر بھی تاتاریوں کے ماتحت نہ ہوئے بلکہ اسلام نے ہی تاتاریوں پرغلبہ حاصل کرلیا۔اسلام نے ان کومسلمانوں میں شامل کرلیا اورانہیں اپنےقوانین کے تابع کیا اورتاتاریوں نے اپنےقوانین جو نافذ کیئے تھے وہ رفتہ رفتہ ختم ہوگئے جس طرح کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ حکمرانوں کے بزورِطاقت نافذکردہ احکام ان حکمرانوں کے زوال کے ساتھ ختم ہوجاتے ہیں۔اسی طرح تاتاریوں کا غلبہ جب ختم ہوا توان کےقوانین پربھی زوال آگیا۔یہ قوانین صرف حکمران طبقہ کے ہاں پسندیدہ تھے ورنہ عوام مسلمانوں کے ہاں انہیں کسی قسم کی پذیرائی نہ ملی تھی نہ

ان مسلمانوں نے ان قوانین کو سیکھنے، یاد کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ بہت جلد ہی ان قوانین کا خاتمہ ہو گیا۔

آپ نے دیکھا کہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے ان وضعی قوانین کی قوت و طاقت کا جو تذکرہ کیا ہے جنہیں اسلام کے دشمن چنگیز خان نے وضع کیا تھا کس طرح حکمرانوں کے خاتمے کے ساتھ ہی ان کا بھی نام و نشان مسلمانوں کے ہاں سے مٹ گیا۔ اس لئے کہ عوام مسلمان تو پہلے بھی تمام تر آزمائشوں اور تکلیفوں کے باوجود ان قوانین کو اپنانے پر راضی نہ تھے سوائے حکمران طبقہ کے۔ اسی لئے حکمرانوں کے زوال کے ساتھ ہی ان قوانین کا بھی بہت جلد خاتمہ ہو گیا۔ اس آزمائش کے دور میں تو مسلمانوں نے غیر اسلامی احکام کو نہیں اپنایا مگر موجودہ دور کے مسلمان جو ایسی کسی آزمائش سے دوچار نہیں ہیں پھر بھی خلافِ شریعت احکام کو اپنانے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ موجودہ دور کے قوانین بھی ''یاسق'' کے مشابہ ہی ہیں۔ اب وقت ایسا آ چکا ہے کہ مسلمان ممالک میں بھی ''یاسق'' کی طرح غیر مسلموں بلکہ اسلام دشمنوں کے بنائے ہوئے احکامات کو اسلامی احکام کا نام دے دیا گیا ہے اور انہیں مسلمان بچوں بچیوں کو پڑھایا سکھایا جاتا ہے اور پھر ان پر نسل در نسل فخر بھی کیا جاتا ہے کہ ہمارا باپ جج تھا یا وکیل تھا یا اسمبلی ممبر تھا۔ یہ باتیں فخریہ بیان کی جاتی ہیں اور یہ قوانین جو کہ موجودہ دور کے ''یاسق'' ہیں ان کی مخالفت کرنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، انہیں رجعت پسند، دقیانوس کہا جاتا ہے۔

اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ یہ نام نہاد قانون دان شریعتِ اسلامی پر بھی ہاتھ ڈالنے لگے ہیں اور اسے اپنے ''یاسق'' کے مطابق کرنا چاہتے ہیں، کبھی اسلامی احکام میں نرمی پیدا کرنے کے نام پر اور کبھی دیگر حیلے بہانوں سے جو بھی ان کے بس میں ہے ہر طریقہ و طاقت استعمال کر رہے ہیں۔ اس بات کا علی الاعلان اظہار بھی کرتے ہیں۔ انہیں ذرہ برابر شرم بھی نہیں آتی کہ یہ لوگ دین و حکومت کو الگ الگ کر رہے ہیں۔ اس صورتحال میں کیا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس جدید دین کی اطاعت کرے؟ (جو کہ سراسر دینِ اسلام کے خلاف ہے) یا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس جدید یاسق کے مطابق کئے ہوئے فیصلوں کو تسلیم کرے؟ ان پر عمل کرے؟ اور واضح اسلامی شریعت سے منہ موڑ لے؟ میرا نہیں خیال کہ کوئی مسلمان جو اپنے دین کو سمجھتا ہے اور اس پر مکمل ایمان رکھتا ہے یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور اس میں کہیں سے بھی غلط بات کا دخل نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ اور جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس قرآن کی اطاعت اس رسول ﷺ کی اطاعت ہے جو اس قرآن کو ہم تک پہنچانے والے تھے، ایسا مسلمان کسی قسم کا تردد یا شک اس بات میں نہیں کرے گا کہ موجودہ دور کے قاضیوں اور

حکمرانوں کے فیصلے مکمل طور پر باطل ہیں۔ان میں کسی قسم کی صحت وجواز کا شائبہ تک نہیں ہے۔ان خودساختہ قوانین کی حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ قوانین صراحتاً کفر ہیں۔ان کے کفر میں کسی قسم کا شک شبہ نہیں ہوسکتا۔اور کسی بھی مسلمان کہلانے والے کا کوئی عذر قبول نہیں اگر وہ ان قوانین کو عمل کرنے یا ان کی اطاعت کرنے یا ان کو صحیح قرار دینے کے لئے پیش کرتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے انجام کا خیال کرنا چاہئے۔ ہر شخص خود اپنا محاسبہ کرے۔'' (احمد شاکر۔عمدة التفسیر، صفحہ ۱۷۱)

اسی طرح شیخ احمد شاکر نے حدِّ سرقہ کے انکار کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: ''چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے، اس کے لئے قرآن میں صراحت کے ساتھ لفظ وارِد ہے جس میں کسی قسم کے شک یا تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔اس کی دلالت اور ثبوت کسی قسم کے شک کا متحمل نہیں۔اسی طرح نبی ﷺ کا بھی یہی حکم ہے اور آپ ﷺ نے مردوں اور عورتوں پر اللہ کا یہ حکم نافذ کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((**لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا**)) ''اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی (بالفرضِ محال) چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔''

اب ہمارے ان دشمنوں (حکمرانوں) کی حالت دیکھو جو استعمار کے آلۂ کار ہیں اور ہمیں ترقی کی خوشخبریاں سنا رہے ہیں اور ہمارے دین سے کھیل رہے ہیں۔ہم پر غیر اسلامی قابل لعنت قوانین مسلط کر رہے ہیں۔ان قوانین کے ذریعہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو منسوخ کر رہے ہیں۔ ہمارے درمیان ہی کچھ ایسے لوگ پرورش پا چکے ہیں جو خود کو ہم میں سے ہی شمار کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں (اللہ و رسول کے) اس حکم کی نفرت بیٹھ چکی ہے اور ان کی زبانوں سے یہ کفریہ الفاظ نکلتے ہیں کہ یہ (چور کا ہاتھ کاٹنا) بہت سخت سزا ہے اس زمانے سے مناسبت نہیں رکھتا۔ان لوگوں نے اللہ کے اس حکم کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہمارے ایک ملک میں ہزاروں چوروں سے جیلیں بھر گئی ہیں۔ یہ ان خودساختہ قوانین کی چور کے لئے مقرر کردہ سزا کی وجہ سے ہے۔ان سزاؤں کی وجہ سے چوری کا جرم ختم نہیں ہو رہا اور کبھی بھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ قوانین ان پھیلتی ہوئی خرابیوں کا علاج کبھی بھی نہیں بن سکیں گے۔

پھر ان لوگوں نے جدید ذہن کے حامل لوگوں کی عقلوں میں (خصوصاً ان لوگوں کے دلوں میں جو ان غیر اسلامی قوانین پر عمل پیرا ہیں) یہ بات انڈیل دی کہ چوری کرنا دراصل نفسیاتی بیماری ہے اس لئے اس کا علاج بھی نفسیات کے علم کے مطابق ہونا چاہئے۔حالانکہ نفسیات کوئی علم نہیں ہے بلکہ یہ علم سے مشابہت تک نہیں رکھتا۔ یہ صرف متعارض

ومتضاد خواہشات کا مجموعہ ہے۔ کفر کے جو سرخیل ہیں ان میں سے ہر ایک کی علمِ نفسیات کے بارے میں الگ الگ رائے ہے اور ہر ایک کی رائے دوسرے کے بالکل الٹ ومتضاد ہے۔ اب لوگ علمِ نفسیات کے ذریعہ سے ہر چور کے عمل کی تطبیق وتوجیہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اب تو یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ چوروں سے ان کے خیالات معلوم کیے جاتے ہیں کہ وہ اپنی اس عادت کی وجوہات پیش کریں تا کہ ان کی بنیاد پر انہیں سزا سے بچایا جا سکے اور وکلاء ان کی نفسیات کی روشنی میں ان کا دفاع کر سکیں اور انہیں اس سزا سے بچا سکیں جو ان کو ملنی چاہئے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ جرم ثابت ہو چکا ہے۔ اس کے ثبوت سے انکار نہیں کرتے مگر کوشش کرتے ہیں کہ اس جرم کو نفسیات کی آڑ لے کر معمولی بنا دیا جائے۔ میں نے اس نفسیات کے بڑے بڑے ماہرین سے گفتگو کی ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ یہ سزا اس زمانے کے لحاظ سے بہت سخت ہے اور چوری کرنے والا مجرم نہیں بلکہ مریض ہے، اسے سزا کی نہیں علاج کی ضرورت ہے، مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھول جاتے ہیں: ﴿جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ﴾ (المآئدۃ : ۳۸)

''یہ ان کے جرم کی سزا ہے اللہ کی طرف سے عبرت کے طور پر۔''

اللہ تعالیٰ خالق ہے وہ اپنی مخلوق (کی نفسیات) سے بخوبی واقف ہے۔ وہ عزیز وحکیم ہے۔ وہ تو اس سزا کو عبرت بنا رہا ہے اور یہ حکم قطعی دلیل ہے اس سزا پر۔ اب ان لوگوں کی باتوں کا کیا اعتبار ہے؟

ہمارے نزدیک مسئلہ کی نوعیت؟ ہم مسلمان ہیں۔ یہ مسئلہ ہمارے عقیدے اور ایمان کا مسئلہ ہے۔ یہ نام نہاد مسلمان جو کہ چوری کی حد کے منکر ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کیا تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو؟ اس بات کو مانتے ہو کہ وہ خالق ہے تمام مخلوق کا؟ یہ لوگ ہاں میں ہی جواب دیں گے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ما کان و ما یکون کا علم رکھتا ہے اور وہ مخلوق کو اتنا جانتا ہے کہ جتنا مخلوق اپنے بارے میں خود بھی نہیں جانتی اور اس مخلوق کے لئے کیا مفید و کیا نقصان دہ ہے سب کچھ خوب جانتا ہے؟ یہاں بھی ان کا جواب اثبات میں ہوگا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، انہیں ہدایت و دین حق عطا کیا ہے، ان پر قرآن نازل کیا ہے جو لوگوں کی رہنمائی اور ان کے دینی و دنیاوی اصلاح کا ذریعہ ہے؟ یہ جواب اثبات میں دیں گے۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ آیت اسی طرح قرآن میں موجود ہے؟

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المآئدہ : ۳۸)

’’چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔‘‘

اس کا جواب بھی اثبات میں ہوگا تو ہم کہتے ہیں کہ پھر تم یہ سب کچھ چھوڑ کر کس طرف جا رہے ہو؟ کس شریعت کے پیرو کار بنے ہو؟

اب اگر کسی مسلمان کہلانے والے نے ان سوالوں میں سے کسی سوال کے جواب میں ’’نہیں‘‘ کہا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ یہ کیا ہے اور اس کا آخری ٹھکانہ کونسا ہے۔ اور ہر مسلمان چاہے وہ عالم ہو یا ان پڑھ وہ یقین کر لے گا کہ یہ شخص اسلام سے خارج ہو چکا ہے اور مرتدین کے دائرے میں داخل ہو چکا ہے۔ اور اگر کوئی غیر مسلم ان سوالوں کے جواب نفی میں دیتا ہے یا ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے تو ہماری ان سے کوئی بحث نہیں ہے اس لئے کہ وہ تو اس (شریعت) پر ایمان ہی نہیں رکھتے جس پر ہمارا ایمان ہے۔ اور وہ تو ہم سے صرف اس صورت میں ہی راضی وخوش رہ سکتے ہیں جب ہم ان کی ہاں میں ہاں ملائیں گے اور یہ کسی مسلمان سے نہیں ہو سکتا۔ (العیاذ باللہ من ذٰلک)

اگر ان نام نہاد مسلمانوں کے پاس عقل ہوتی تو یہ سمجھ جاتے کہ اگر ہر سال چند چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں تو ہمارے شہر اور ملک چوروں کے گروہوں سے پاک صاف ہو جائیں۔ صرف سالانہ چند چوریاں ہی ہو سکیں گی۔ ہماری جیلیں ان سینکڑوں ہزاروں قیدیوں سے خالی ہو جائیں جو کہ جرائم کی باقاعدہ درسگاہیں بن چکی ہیں۔ اگر انہیں عقل ہوتی تو یہ کام ضرور کرتے مگر یہ اپنے غلط نظریات پر اڑے ہوئے ہیں تا کہ ان کے غیر مسلم آقا ان سے خوش ہوں (حالانکہ یہ بھی بہت مشکل ہے)۔‘‘ (عمدۃ التفسیر، جلد ۴، صفحہ ۱۴۶)

اب ہم مرتد ہونے والوں کے بارے میں علماء کی رائے پیش کر رہے ہیں اور اس بارے میں ابن تیمیہ کا فتویٰ (جو انہوں نے النصیریہ نامی فرقہ سے متعلق سوال کے جواب میں دیا تھا) نقل کرتے ہیں:

’’تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ یہ لوگ جو نصیریہ کہلاتے ہیں یا ان جیسے اور قرامطہ اور باطنیہ کہلانے والے یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر کفار ہیں بلکہ یہ تو مشرکین سے بھی بڑھ کر کافر اور امتِ محمدیہ پر تاتاریوں اور انگریزوں سے بھی بڑھ کر ظلم کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ عام مسلمانوں کے سامنے خود کو مسلمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور اہلِ بیت کے حمایتی ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا نہ اللہ پر ایمان ہے نہ رسول ﷺ پر، نہ اللہ کی کتاب پر۔ نہ اللہ کے حکم کو مانتے ہیں، نہ اس کی نہی کو، نہ ثواب کو، نہ عِقاب کو، نہ جنت کے قائل ہیں، نہ جہنم کے، نہ کسی رسول کو مانتے ہیں، نہ سابقہ امتوں میں سے کسی امت کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کو

لے لیتے ہیں جو عام مسلمانوں کے ہاں مشہور ومعروف ہو اور پھر اس میں اپنی مرضی کی تاویلیں کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ علمِ باطن ہے۔اور اللہ کے اسماء وآیات میں اور رسول ﷺ کے کلام میں جو تحریف کررہے ہیں اس کی تو حد ہی نہیں ہے۔''

مزید فرماتے ہیں کہ ''ہمیں معلوم ہے کہ نصارٰی نے شام کے ساحلوں پر جو قبضہ کیا وہ انہی لوگوں کی مدد سے کیا اور یہ لوگ ہر مسلم دشمن کے ساتھ ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ مسلمانوں کے مخالف اور نصارٰی کے ساتھی ہیں اور ان کی مدد سے ہی نصارٰی نے مسلمانوں پر تاتاریوں سے بڑھ کر ظلم کئے ہیں۔اور جب نصارٰی نے مسلمان ممالک کی سرحدوں پر حملے کئے تو یہی لوگ ان کے سب سے بڑے مددگار تھے ۔اسی دوران نصارٰی نے سب سے زیادہ قبضے کئے ۔انہی کی مدد سے نصارٰی نے القدس پر قبضہ کیا۔ یہ لوگ ان نصارٰی کا سب سے بڑا سہارا و ذریعہ بنے اور جب اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے نورالدین زنگی شہید وصلاح الدین ایوبیؒ اور ان کے ساتھیوں نے نصارٰی سے اسلامی ساحل وعلاقے واپس لئے تو اس وقت یہ لوگ نصارٰی کے ساتھ مل جل کر ان مقامات پر رہ رہے تھے،ان کا آپس میں اتحاد واتفاق تھا۔مسلمانوں نے ان سے جہاد کر کے اسلامی ممالک آزاد کرائے۔''

مزید لکھتے ہیں: ''جب تاتاری اسلامی ممالک میں داخل ہوئے اور بغداد کے خلیفہ اور دیگر مسلمان حکمرانوں کو قتل کر دیا تو یہ سب کچھ بھی انہی (باطنیوں،قرامطہ،نصیریہ) کے تعاون اور پشت پناہی کی وجہ سے تھا ۔مسلمانوں کے ہاں ان کے مشہور القاب ہیں کبھی انہیں ''ملاحدہ'' کہا جاتا ہے کبھی ''قرامطہ'' کبھی ''باطنیہ'' کبھی ''اسماعیلیہ'' کبھی ''الخرمیہ'' کبھی ''المحمرہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ ان کے عام نام ہیں ان میں سے کچھ مزید خاص فرقے دیگر ناموں سے بھی ہیں ۔

اس بات میں کبھی کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنا اور ان پر حدود جاری کرنا اللہ کی سب سے بڑی اطاعت اور (مسلمانوں کا) سب سے بڑا فریضہ ہے اور ان سے جہاد کرنا زیادہ افضل ہے بنسبت ان مشرکین واہل کتاب کے جو مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے ۔ان سے جہاد کرنا ایسا ہے جیسا مرتدین سے جہاد کرنا۔وہ مرتدین جو ابو بکر صدیق کے زمانہ میں مرتد ہوئے تھے اور صحابہ کرام نے کفار واہل کتاب سے پہلے ان مرتدین سے جہاد کیا تھا۔ اسی طرح یہ لوگ مسلمانوں کے لئے ان (غیر مسلموں کی بنسبت) زیادہ نقصان دہ ہیں ۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری حسبِ استطاعت پوری کرے۔لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے

بارے میں جو کچھ جانتا ہے وہ چھپائے رکھے بلکہ اسے چاہئے کہ اسے ظاہر کرے تاکہ مسلمان ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کے بارے میں اللہ و رسول ﷺ کے جو احکام ہیں ان کے نفاذ سے خاموشی اختیار کرے (یعنی ان کے خلاف جہاد وغیرہ) اور ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے باہمی تعاون نہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ ان کو ہدایت کی طرف لانے کے لئے جہاں تک ممکن ہو کوشش کرے۔ اس میں جتنا ثواب و اجر ہے اس کا اندازہ صرف اللہ ہی کو ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ، جلد ۲۵، صفحہ ۱۴۹)

کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے میں احتیاط کرنا چاہئے

عقیدہ طحاویہ کے شارح کہتے ہیں:

''باطل اور تحریف کرنے والا قول وہ ہوتا ہے کہ جس کے ذریعے سے رسول ﷺ کے ثابت کردہ حکم کی نفی ہوتی ہو اور آپ ﷺ کے منع کئے ہوئے امور میں سے کسی کا اثبات ہوتا ہو۔ یا آپ ﷺ نے جس چیز سے منع کیا ہے اس کا حکم کیا جائے اور آپ ﷺ کے حکم کردہ سے ممانعت کی جائے۔ ایسے اقوال کے قائلین کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم سے کسی خاص شخص کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ شخص عذابِ الٰہی کا مستحق اور کافر ہے؟ تو ہم ایسے معاملہ میں اس وقت ہاں کہیں گے جب کوئی واضح شہادت موجود ہو۔ اس لئے کہ یہ بہت بری بات ہے کہ ہم کسی معین شخص کے بارے میں کہہ دیں کہ اللہ اس کو معاف نہیں کرے گا یا اس پر رحم نہیں کرے گا بلکہ اسے ہمیشہ جہنم میں رکھے گا اس لئے کہ یہ فیصلہ تو کافر کے لئے ہے اور وہ بھی مرنے کے بعد (ہم دنیا میں کسی پر ایسا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں) یہ کام اللہ کے کرنے کا ہے نہ کہ بندوں کا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص (جسے ہم بظاہر غلط سمجھ رہے ہیں) مجتہد ہو اور اجتہاد میں غلطی کر چکا ہو جبکہ مجتہد کی غلطی معاف ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جس حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے وہ اسے پہنچا ہی نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف یہی ایک غلطی اور گناہ کر رہا ہو مگر اس کے علاوہ اس کی بہت سی نیکیاں اور اعمال صالحہ ہوں جن کی بنیاد پر اللہ اسے بخش دے اور اس پر رحم کرے جس طرح اس آدمی کے ساتھ ہوا تھا جس نے اپنی وصیت میں اپنے بیٹوں کو کہا تھا کہ مجھے جلا دینا اور راکھ کو ہوا میں اڑا دینا (صحیح مسلم) اس کو خوف و خشیت کی وجہ سے اللہ نے بخش دیا تھا۔ لیکن یہ توقف اور فیصلہ سے گریز صرف اخروی معاملہ میں ہے۔ دنیا میں سزا دینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اگر اسے بدعت سے روکنا ہو تو سزا دی جا سکتی ہے یا اسے برا بھلا کہا جا سکتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو صحیح ورنہ اسے قتل کی سزا بھی

دی جا سکتی ہے۔ اگر کسی کا قول فی نفسہ کفر ہے تو ہم کہیں گے کہ اس شخص نے کفر کیا ہے اور ایسے قول کے کہنے والے کو کافر کہیں گے مگر تمام شرائط کی موجودگی اور موانع کی نفی کی صورت میں۔''

(شرح عقیدہ طحاویہ، صفحہ ۳۵۷)

شارح عقیدہ طحاویہ کے اس کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی خاص شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

اسی طرح کچھ اہم باتیں ایسی بھی ہیں جنہیں اسلام کے مخالف امور پر بات کرتے وقت مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ بہت سے ایسے امور ہیں جو شہادتین کے منافی ہیں۔ کچھ تو ایمان باللہ کے اور کچھ ایمان برسول اللہ ﷺ کے منافی ہیں۔ لہٰذا ہر شخص جو ان امور کو جانتا ہے اور ان کے دلائل سے واقف ہے وہ ان امور پر متنبہ و آگاہ رہے، ان سے محتاط رہے اور ان امور کی تفصیل، ان کے قواعد وضوابط حسبِ علم و استطاعت معلوم کرے۔ قرآن وسنت میں ان سے متعلق جو دلائل ہیں انہیں بھی واضح کرے۔ یہ سب تفصیلات اس لئے معلوم کرے کہ ان کا تعلق امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہے اور اس کے کرنے والے کو اللہ کے ہاں اجر ملے گا بشرطیکہ خالص نیت سے کیا جائے۔

۲۔ انسان کے کفر کا سبب بننے والے امور کفر پہ دلالت کرنے کی قوت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں کہ جن کے ارتکاب سے واضح کفر لازم آتا ہے اور کچھ ایسے ہیں کہ بہت تامل وغور کے بعد کفر کا فتویٰ اور حکم لگایا جا سکتا ہے ۔(اس لئے کہ پہلی قسم کا عمل بذاتہ کفر کا سبب بنتا ہے اور دوسری قسم کا عمل کسی اور ایسے عمل کا سبب یا لازمہ بنتا ہے کہ جو کفر کا سبب ہوتا ہے) لہٰذا جو شخص پہلی قسم کے عمل میں مبتلا ہو اس کو کافر قرار دینا ممکن ہے۔ اس میں کسی قسم کا عذر ومجبوری قابل قبول نہ ہوگی۔ سوائے پہلے وضاحت شدہ اکراہ کے، جو صرف زبانی کفر کی حد تک ہو، اور اس میں مجبور آدمی کا اعتقاد شامل نہ ہو ۔اسی طرح نوعِ ثانی (دوسری قسم) میں سے بھی کچھ اقسام ایسی ہیں جو اس نوعِ اول کے قریب ہیں۔

جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں خدا ہوں چونکہ اس طرح کہنے سے وہ اگرچہ اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کر رہا ہے مگر شرک کا مرتکب ہوگیا ہے یا کوئی شخص الوہیت کی خصوصیات میں سے کسی خصوصیت کا دعویٰ کرے۔ جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں بھی کسی چیز کو حرام حلال قرار دینے کا حق رکھتا ہوں۔ یا کوئی شخص عالَم کو قدیم مانے تو یہ اس بات کا اقرار ہوگا کہ گویا اللہ نے عالَم کو پیدا نہیں کیا۔ اور اس کی اس بات کی تاویل بھی نہ ہوسکتی ہو تو یہ قول بھی کفرِ صریح کی طرح ہے اور اس کے کہنے والے کا کوئی عذر قبول نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کفر پر اپنی رضامندی وضاحت کے ساتھ

ظاہر کردے مثلاً ایک شخص اللہ کے وجود کا انکار کردے اور اس کو کوئی کہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو تو یہ کہنے والا کافر ہے۔ یہ خدا کے منکر سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اکثر کفریہ اعمال کرتا ہو، یا اقوال کہتا ہو، ان پر قائم رہتا ہو، یا کفار کی دوستی پر ہمیشہ قائم رہتا ہو اور اکثر اس دوستی کا ثبوت اپنے اعمال سے دیتا رہتا ہو تو ایسا شخص کافر ہوگا۔ اس لئے کہ عذر کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آدمی ہمیشہ یا اکثر ایسے افعال واقوال کا مرتکب ہوتا رہے جو کفریہ ہوں یا کفر پر رضامندی کی دلیل ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے معاملہ میں ملوث ہوتا ہے جس پر کفر کا فتویٰ لگانا غور وفکر کا تقاضا کرتا ہو تو ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے میں احتیاط کرنی چاہیئے اور جتنا جتنا اس کا معاملہ زیادہ غور کا متقاضی ہوگا اتنی ہی احتیاط بڑھتی جائے گی تاکہ ظاہری قرائن کی طاقت وقوت کا مشاہدہ کرنے کے بعد فتویٰ لگایا جائے۔

مگر یہ بات بھی مدنظر رہے کہ اس طرح کے فتوے لگانا (جو دوسری نوع کے کفر سے متعلق ہوں) عوام کا کام نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے کسی پر ایسا فتویٰ لگا دے بلکہ اسلامی حکومت (اگر ہو تو) جس شخص کو ایسے فیصلے کرنے کا اختیار دے وہی فتویٰ لگانے کا مجاز ہوگا۔ اس کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ایک شخص قرآن کے اوراق (نعوذ باللہ) گندگی میں پھینکتا ہے تو یہ عمل فی ذاتہ قطعِ نظر فاعل کے باتفاقِ فقہاء، کفر ہے۔ اس لئے کہ اس نے کتاب اللہ کی تحقیر وتوہین کی ہے اگر کوئی اور شخص اس کو ایسا کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ یہ کہے کہ یہ کام کفر ہے لیکن اس شخص کو کافر قرار نہ دے جب تک کہ کم از کم دو باتوں کی معلومات حاصل نہ کرلے کہ جس نے یہ اوراق گندگی میں پھینکے ہیں اسے معلوم تھا کہ یہ قرآن کے ہیں اور جس جگہ پھینکے ہیں وہ گندی ہے۔ جب اس بات کا علم ہو جائے تو پھر اسے حق ہے کہ وہ اس شخص کو کافر قرار دے۔ مگر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کاغذ پھینکنے والا اتنا ان پڑھ جاہل ہو کہ اسے معلوم ہی نہ ہو کہ یہ قرآن کے اوراق ہیں اور یہ بھی پتہ نہیں کہ جس میں یہ اوراق ڈال رہا ہے وہ گندگی ہے تو یہ جہالت اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس شخص کا ارادہ تحقیر وتوہین کا نہیں تھا اور یہ شخص معذور ہے۔

لہٰذا کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے میں احتیاط لازم ہے جب تک کہ اس سے صریح کفر سرزد نہ ہو، جس کی کوئی توجیہ وتاویل نہیں ہوسکتی سوائے کفر قرار دینے کے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تمام اعمال واقوال سے واقفیت ضروری ہے جن کے ارتکاب سے کفر لازم آتا ہے، تمام شرائط، اور موانع کے ازالے کے ساتھ۔

۳۔ کسی بندے کے کفر پر دو قسم کے احکام مترتب ہوتے ہیں:

۱) دنیوی: مرتد شخص ان تمام امور کا مستحق ہوگا جو شرعی نصوص سے ثابت ہیں اور جن کا اس پر نافذ کرنا

ضروری ہے یعنی کسی کے ظاہری اعمال پر فیصلہ، نہ کہ اس کے باطن کو دیکھا جائے۔ مثلاً مرتد قتل کا مستحق ہے اگر توبہ نہیں کرتا ۔اس کے اوراس کی بیوی کے درمیان تفریق کردی جائے گی ۔اس کا ذبیحہ اوراس سے نکاح پڑھوانا جائز نہیں ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جو بندوں نے کرنے ہیں اور خاص شخص کے ساتھ اس کے ظاہر کے لحاظ سے کرنے ہیں (جس کا کفرو ارتداد ثابت ہو چکا ہو) ان میں سے توبہ کرانا یا قتل کا فیصلہ (اسلامی) حکومتِ وقت کا کام ہے۔ یہ عام انسانوں کا نہیں (البتہ عام لوگوں کے لئے ایسے شخص کو کافر و مرتد سمجھنا اوراس سے برأت کا اظہار کرنا یقیناً لازمی ہے)۔

۲) اخروی: اخروی حکم یہ ہے کہ مرتد ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا یہ کام بھی اللہ کے کرنے کا ہے کہ وہ کس کس پر مخلد فی النار ہونے کا حکم لگا تا ہے۔ یہ فیصلہ ہم دنیا میں نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم کسی معین شخص کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ اس کا آخرت میں کیا انجام ہوگا ؟ کیونکہ یہ بندوں کے کرنے کا کام ہی نہیں۔ کسی بھی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی خاص شخص کے اخروی ٹھکانے اور انجام کے بارے میں معلومات کا دعویٰ کرے کہ فلاں جنت میں ،فلاں جہنم میں جائے گا۔ اِلاَّ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو کسی کے بارے میں بتا دیا ہو جس طرح جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی تھی جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے یا نبی ﷺ نے کسی کے بارے میں کہا ہو کہ فلاں جہنمی ہے یا قرآن نے اس کی شہادت دی ہو کہ یہ شخص جہنمی ہے جیسے ابولہب کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ وہ شعلوں والی آگ میں ہوگا۔

البتہ ہم عمومی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس نے اللہ کا انکار کیا یا دین سے مرتد ہوا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ (اخروی معاملات میں رائے زنی کی) یہی وہ حد ہے جہاں تک کسی مسلمان کو محدود رہنا چاہیئے۔ اگر کوئی مسلمان اس حد سے تجاوز کرے گا تو وہ باغی اور حد سے گزرنے والا ہوگا۔

جس طرح شارح عقیدہ طحاویہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ’’ہم کسی کو جنتی یا جہنمی قرار نہیں دے سکتے۔‘‘